نورِ کربلا اور اقبال رحمۃ اللہ علیہ

کربلا کی روشنی اور
علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا کلامِ اہل بیت

مؤلف:
سید فدا حسین شاہ

هٰذَانِ ابْنَایَ وَابْنَا ابْنَتِیْ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّهُمَا

فَاَحِبَّهُمَا وَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّهُمَا

یہ دونوں (حسن اور حسین علیہما السلام) میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی (فاطمہ علیہا السلام) کے بیٹے ہیں۔

اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما اور

ان دونوں سے محبت کرنے والوں سے بھی محبت فرما۔

(ترمذی شریف)

نورِ کربلا

اور اقبالؒ

کربلا کی روشنی اور علامہ اقبال کا کلامِ اہل بیت

سید فدا حسین شاہ

اشاعت	:	اگست 2016ء
مؤلف	:	سید فدا حسین شاہ
پروف ریڈنگ	:	میجر (ر) امجد فاروق قیصرانی، ڈاکٹر امجد حسن
پروف ریڈنگ	:	ڈاکٹر سید محمد معروف شاہ
نظر ثانی	:	علامہ محمد بشیر القادری، قاری ابوبکر العاصم
کمپوزنگ/ڈیزائننگ	:	وقار عظیم
پیش کش	:	سید عامر علی
تعداد	:	ایک ہزار
قیمت	:	-/400 روپے

رابطہ:

سید فدا حسین شاہ ترمذی

اسسٹنٹ پروفیسر

کامسیٹس انسٹیٹیوٹ آف انفارمیشن ٹیکنالوجی، ایبٹ آباد

0300-9117066

fidahshah@gmail.com

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر
روزِ محشر عذر ہائے من پذیر
ور حسابم را تو بینی ناگزیر
از نگاہِ مصطفیٰ ﷺ پنہاں بگیر

ترجمہ: اے اللہ میں تیرا منگتا ہوں اور تو دو عالم کو عطا کرنے والا ہے، روزِ محشر میرا عذر قبول فرمانا، اگر میرے اعمال کا حساب ناگزیر ہو جائے تو پھر اے مالک و مولیٰ! اسے میرے آقا محمد مصطفیٰ ﷺ کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھنا۔

بَلَغَ العُلیٰ بِکَمالِهِ

کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمالِهِ

حَسُنَتْ جَمیعُ خِصالِهِ

صَلُّوا عَلَیْهِ وَآلِهِ

فہرست

ذکرِ حسین رضی اللہ عنہ

خلوصِ دل کی روشنی لے کر بدیدہ تر حسین رضی اللہ عنہ لکھنا
تم ایسا کرنا کتابِ دل کے ورق ورق پر حسین رضی اللہ عنہ لکھنا

حروف خوشبو کے پھول بن کر تمھارے سینے میں کھل اٹھیں گے
تم ایسا کرنا کہ اپنی آنکھوں پہ اپنے لب پر حسین رضی اللہ عنہ لکھنا

یہ پیڑ سارے یہ سب پرندے ادب سے کریں گے اس کو سلام
تم ایسا کرنا کہ ان ہواؤں کی جھالروں پر حسین رضی اللہ عنہ لکھنا

تمھارے تاریک منظروں میں اجالے پھوٹیں گے نُور بن کر
تم ایسا کرنا کہ اپنے گھر میں درود پڑھ کر حسین رضی اللہ عنہ لکھنا

کشید کر کے گلاب کا عرق، فضا میں پیہم چھڑکنا اس کو
پھر ان سنہری فضاؤں پر روشنی کا پیکر حسین رضی اللہ عنہ لکھنا

حسین علیہ السلام پڑھ کر پھر اس کو لکھنا، پھر اس کو لکھ کر تم ایسا کرنا
کہ آج تک تم نے جو بھی لکھا، تم اس کا محور حسین علیہ السلام لکھنا

اذان دیں گی تمھاری آنکھیں، نماز مصرعے ادا کریں گے
تم ایسا کرنا کہ راہِ حق میں حسین علیہ السلام پڑھ کر حسین علیہ السلام لکھنا

وہ برچھیاں وہ چمکتے خنجر، وہ تپتے صحرا پکارتے ہیں
تم ایسا کرنا کہ کربلا کے بدن پہ جا کر حسین علیہ السلام لکھنا

اگر کتابت کا شوق ہو تو کتابِ صبر و رضا میں محسن
جہاں شہیدوں کا نام لکھنا تو سب سے اوپر حسین علیہ السلام لکھنا

(محسن نقوی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

از: ڈاکٹر امجد حسن صاحب

ایسوسی ایٹ پروفیسر، کامسیٹس انسٹیٹیوٹ آف انفارمیشن ٹیکنالوجی، ایبٹ آباد

حق و باطل کی معرکہ آرائی ازل سے تا امروز برپا رہی ہے اور باشعور و منصف مزاج ہستیوں نے کبھی شرکت میانہ حق و باطل کو قبول نہیں کیا۔ بلکہ باطل کی سرکوبی کیلئے وہ مادی وسائل سے بے نیاز مردانہ وار برسرپیکار رہے ہیں۔ ان عظیم روحوں کی عظمت کا روشن ترین پہلو یہ ہے کہ انہوں نے اس معرکے میں نہ صرف حق کی علمداری کا نعرۂ مستانہ بلند کیا بلکہ اس جدوجہد میں اپنی اور اپنے عزیز ترین اقرباء کی جانوں تک کا نذرانہ پیش کرنے سے بھی گریز نہیں کیا کہ پیشِ نظر مقصد عزیز تر از جاں تھا۔ تاریخِ انسانی کے ان معرکوں میں عظیم تر معرکۂ کربلا اور عظیم کرداروں میں نمایاں تر شخصیت راکبِ دوشِ رسول ﷺ اور پروردۂ آغوشِ بتول رضی اللہ عنہا جناب سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی ہے۔ چودہ صدیوں سے زائد مدت ہوئی کہ دشتِ کربلا میں طاقت و کثرت کو حق سمجھنے والے پیغمبر اسلام ﷺ کے اجلے چمن پر حملہ آور ہوئے۔ جن تلواروں کو کفار کے خلاف میان سے نکلنا تھا وہ خانوادۂ نبوت کے خلاف برسرپیکار تھیں۔ دیدۂ ارض و سماء نے ایسا المناک منظر شاید ہی کبھی دیکھا ہو گا جب طاقت کے نشے میں مست حکومتی فوج چند درجن نہتے افراد (بشمول خواتین و بچے) کے مدمقابل ہو۔ طاقت و کثرت غالب ہوئی مگر رسوائی اس کا مقدر ٹھہری۔ حق و صداقت کی علمبردار اقلیت گو مغلوب ہوئی مگر دائمی

عظمت و توقیر ان کے نام ہوئی۔ اور شہیدانِ راستی کا یہ قافلہ باشعور انسانیت کے سر کا تاج قرار پایا۔ سبحان اللہ کیا اصول دے گئے کربلا والے کہ طاقت حق نہیں بلکہ حق ہی دراصل طاقت ہے۔

بے شمار شعراء وادباء اپنے اپنے انداز میں سانحہ کربلا اور شہدائے کربلا کو خراج عقیدت پیش کرتے رہے ہیں۔ شعراء میں ایک ممتاز نام حکیم الامت جناب علامہ محمد اقبالؒ کا ہے جن کا کلام عشقِ رسول ﷺ واہلِ بیت رسول ﷺ کے نور سے منور ہے۔ ہمارے دوست محترم سید فدا حسین شاہ صاحب بھی اس سعادت مند قافلے میں شامل ہو گئے ہیں۔ شاہ صاحب نے اچھوتے انداز میں واقعۂ کربلا اور کلامِ اقبال سے روشنی کشید کی ہے۔ شاہ صاحب اس موضوع کا نہ صرف خاص ذوق بلکہ وسیع مطالعہ بھی رکھتے ہیں جس کا انہوں نے خود اظہار بھی کیا ہے۔ محسوس ہوتا ہے عمیق مطالعے، آگہی اور اس واقعے سے متعلق خواص وعوام کے عمومی بے حسی پر مبنی رویوں نے شاہ صاحب کے قلب میں ایک اضطراب پیدا کر دیا تھا جسے جناب نے الفاظ کا روپ دے کر احسن طریقے سے سپردِ قلم کیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ انصاف پسند اور دیدۂ بینا رکھنے والے قارئین اس صدائے حق میں انکے ہمنوا ہوں گے۔ شاہ صاحب نے سانحہ کربلا کو ایک واقعہ کے طور پر ہی نہیں بلکہ ایک عالمگیر فکر ونظریے کے طور پر اجاگر کرتے ہوئے اسے تمام مسلمانوں کی مشترکہ میراث ثابت کیا ہے۔ آپ نے بہ اصرار شعورِ فکرِ کربلا کے حصول پر زور اور فلسفۂ کربلا کے بہ تکرار ذکر کو نافع قرار دیا ہے۔ علامہ اقبالؒ خود ایک مضطرب روح تھے اور منبر و مدرسہ و خانقاہ کے جمود پذیر طرزِ عمل سے نہ صرف غیر مطمئن تھے بلکہ مذکورہ اداروں کے واضح اور متحرک کردار کے خواہشمند تھے۔ یہ بے چینی آپؒ کے کلام میں واضح طور پر محسوس کی جا سکتی ہے۔ شاہ صاحب نے اپنے جذبات وخیالات کے پرزور اظہار کیلئے کلام اقبال سے تحرک وتوانائی حاصل کی ہے اور

ساتھ ہی اپنی سعی سے اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے حبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و خانوادۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متعلق گوشوں کو خصوصی طور پر آشکار کیا ہے جو کہ عموی طور پر لوگوں کی آنکھوں سے اوجھل رہتے ہیں۔ شاہ صاحب نے شدتِ جذبات کے باوجود انتہائی احتیاط اور اعتدال کے ساتھ اپنے درد کو خوبصورت تراکیب اور الفاظ کی مالا میں سمو کر نذرِ قارئین کیا ہے۔ آپ نے بجا طور پر ہر مکتبِ فکر میں حسینی طبقے کی نشاندہی کرتے ہوئے انہیں مکتب کے اختلاف کے باوجود ایک ہی طبقہ اور ایک ہی شمع کے پروانے قرار دیا ہے۔ شاہ صاحب نے واقعاتی تکرار کی بجائے کربلا کے ہر مرحلے سے راہنمائی اور قابلِ عمل اصول اخذ کیے ہیں، جو آپ کی تصنیفی کاوش کو منفرد بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اس علمی کاوش کو قبولیت سے نوازے (آمین)۔ بلاشبہ کربلا ہر دور میں برپا ہوتی رہے گی، کوفی و شامی انداز بدلتے رہیں گے، ایسی صورتحال میں ہمیں حسین رضی اللہ عنہ کے کیش پر چلنا ہے۔ بیعتِ جبر کو توڑنا ہے۔ تپتی ہوئی لوحِ ریگ پر طرزِ نو سے ذکرِ امام لکھنا ہے اور مزید یہ کہ ہمیں ذکر و فکرِ حسین رضی اللہ عنہ و کربلا پر معذرت خواہانہ انداز اپنانے کی بجائے جرأت مندانہ کردار اپناتے ہوئے قافلۂ حق کے ساتھ اپنی وابستگی کا بھرپور اظہار کرنا ہے کہ یہی حبِ خدا اور حبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فطری تقاضا بھی ہے۔

آساں نہیں ہے معرفتِ رازِ کربلا
دل حق شناس، دیدۂ بیدار چاہیے
آتی ہے کربلا سے یہ آواز آج بھی
ہاں حق کا اعتراف سرِ دار چاہیے
جو زندگی کے رخ سے الٹ دے نقاب کو
وہ بے خودی، وہ ہوش، وہ پندار چاہیے

ڈاکٹر امجد حسن

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

از: پروفیسر ڈاکٹر سید محمد معروف شاہ صاحب
چیئرمین اینوائرنمنٹل سائنسز و بائیو ٹیکنالوجی ڈیپارٹمنٹ
کامسیٹس انسٹیٹیوٹ آف انفارمیشن ٹیکنالوجی، ایبٹ آباد

"نُورِ کربلا" وہ نُور ہے کہ جس کی کرنوں سے حق و باطل میں تمیز کی جا سکتی ہے، جس سے کھرے اور کھوٹے کی پہچان کی جا سکتی ہے، جس سے ظالم و مظلوم میں تفریق کی جا سکتی ہے جس سے بقا و فنا کے فرق کو بخوبی سمجھا جا سکتا ہے۔ یہ نُور سبق ہے صداقت کا، شجاعت کا، امانت کا، سخاوت کا اور استقامت کا کہ یہی رہنما اصول ہے دنیا اور آخرت کی امامت کا۔ یہ نُور چراغِ راہ اور نشانِ منزل ہے۔ یہ نُور خرد کی گتھیاں سلجھانے کا سامان اور منازلِ عشق کی سیڑھی ہے۔ یہ نُور دراصل راہِ جنت اور ذریعۂ نجاتِ جہنم ہے۔ یہ نُور شناسائے کربلا حضرت علامہ اقبال کی تکمیلِ خودی کا درس ہے۔ یہ کلامِ اقبالؒ کی جلا ہے۔ کلامِ حضرتؒ دراصل خراجِ نُورِ کربلا ہے۔ یہ نُور اہلِ نظر کے قلوب و اذہان کو منور کرتا ہوا چلا آ رہا ہے۔ جہاں جہاں اس نُور کی کرنیں پڑیں وہاں سے خیر و برکت کے چشمے پھوٹے۔

برادرم سید فدا حسین شاہ صاحب دامت برکاتھم نے اسی نُور کے فیوض و برکات کو عام کرنے کی کوشش کی ہے۔ زیرِ نظر کتاب "نُورِ کربلا اور اقبالؒ" میں شاہ

صاحب نے حضرت اقبالؒ کے کلام کی روشنی میں اس نُور کو مرتکز کرنے کی سعیِ جلیلہ فرمائی ہے۔ شاہ صاحب کی اس تحریر کا انداز محققانہ یا واقعاتی نہیں بلکہ عاشقانہ ہے۔ آپ نے عشاق کا راستہ اختیار فرما کر اِس نُور کی برکات کو قلمبند کر دیا ہے۔ امیدِ کامل ہے کہ اہلِ ایمان اگر ظاہری و باطنی آنکھیں کھلی رکھ کر پڑھیں اور سمجھیں گے تو یہ نُور امت کے اتحاد و اتفاق کا سب سے بڑا اور مضبوط ذریعہ ثابت ہوگا۔ یہی وقت کی ضرورت اور تقاضا ہے۔

صاحبِ نُورِ کربلا علیہ السلام، منبعِ صبر و شکر و رُشد و ہدایت، امامِ عاشقاں،
پسرِ بتول علیہا السلام، جگر گوشۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پوری انسانیت کا سلام!

محمد معروف شاہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

از: سید عامر علی

سول اینڈ سوشل ایکٹیوسٹ، ممبر بزمِ اقبالؒ، ایبٹ آباد

تاریخ عالم میں امامِ عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کی ذات، شخصیت اور کردار کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ امام عالی مقام کے حوالے سے کچھ لکھنا یقیناً نہایت سعادت مندی کی بات ہے بلکہ یہ ذکر تو ذریعۂ نجات بھی ہے۔ میری حیثیت اتنی بڑی تو نہیں کہ میں زیرِ نظر کتاب کے حوالے سے تقریظ لکھ سکوں اور نہ ہی میں اس قابل ہوں مگر چند سطریں زیبِ قرطاس اس غرض سے کر رہا ہوں کہ اپنا نام ان سعادت مندوں کی فہرست میں لکھوا سکوں جو قافلۂ حریت کے علمبردار ہیں اور نیت یہ ہے کہ میری بخشش کے لیے یہ تحریر وجۂ نجات بن سکے۔

''نُورِ کربلا اور اقبالؒ'' میں برادرِ مکرم سید فدا حسین شاہ صاحب نے نہایت عمدگی سے محبت کی کیفیات اور لمحات کو بیان کیا ہے جس نے جذبات کو جگانے کی کوشش کی ہے جو ہر حساس دل کے اندر کربلا کو پڑھنے اور سمجھنے کی جستجو پیدا کرتے ہوئے کربلا کا حاصل اور کربلا کو اپنی زندگیوں میں برپا کرنے میں ممد و معاون ہیں۔ شاہ صاحب نے نہایت حکمت آمیز طریقے اور خوبصورتی سے یہ بات سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ ذکرِ حسین رضی اللہ عنہ کتنا اہم اور ضروری ہے۔ انھوں نے بڑے پیارے انداز میں لکھا: ''حسین رضی اللہ عنہ کے ذکر سے خطرہ صرف یزیدیت کو ہو سکتا ہے'' تو پھر ذکرِ حسین رضی اللہ عنہ سے

گریزاں کیوں ہوا جائے؟ اس ذکر سے پہلوتہی کی بجائے یہ باور کرنا چاہیے کہ ذکرِ حسین ؓ اور محبتِ حسین ؓ سنتِ مصطفیٰ ﷺ اور تاکیدِ محبوبِ خدا ﷺ ہونے کے ساتھ ساتھ حکمِ خدا اور صحابہ کرام ؓ کا شعار بھی ہے۔ کربلا کا درس یہ ہے کہ حق بات پر ڈٹ جاؤ، کسی بھی حالت میں مت گھبراؤ اور کلمۂ حق بلند کرو۔ کربلا سب کے لئے ہے اور پیغامِ کربلا یہی ہے کہ اسے عام کرو تاکہ ہر دور اور ہر وقت کے یزید کی صفوں میں اگر کوئی حُر موجود ہے تو وہ حسینی صفوں میں داخل ہو کر خود کو "ھدایت کے نُور" سے مزین کر سکے۔ "ذکرِ حسین ؓ اور فکرِ حسین ؓ" پر آج ہمیں طبقات میں نہیں بٹنا چاہیے، کہ یہ ہماری متاع بے بہا ہے۔ یہ وہ حقیقی دولت اور ایسی سنتِ مصطفیٰ ﷺ ہے جسے سرکارِ انبیاء ﷺ نے متواتر دہرایا۔ یہ محبت ہمیشہ سے حق پرستوں میں نسل در نسل موجود رہی۔ کربلا کو فرقہ وارانہ وابستگیوں اور تعصب سے بالاتر ہو کر سمجھنا چاہیے۔ شاہ صاحب نے بہت پیارا جملہ تحریر کیا: "میں ہر فرقے کے شرپسندوں سے بیزار ہوں اور ہر فرقے کے حق پرستوں کو میرا اسلام ہے" ہر مکتبِ فکر میں حق پرست موجود ہیں جو ہر دور میں ذکرِ حسین ؓ کا اہتمام کرتے رہے اور مصلحت کوشی کی بجائے سر دار جانے کی نوبت آئی تو بھی دریغ نہ کیا۔

یہ تم سے کس نے کہا کہ ہماری ہے کربلا
حق بات جو تم کہو تو تمہاری ہے کربلا

علامہ محمد اقبالؒ کی شاعری کے حوالے سے جو کام اس کتاب میں نظر سے گزرا، وہ لائق صد تحسین ہے۔ کافی عرق ریزی کے بعد اہلِ بیت کے حوالے سے علامہ صاحب کے اشعار اکٹھے کرنے، ان کا ترجمہ اور نفسِ مضمون کے لحاظ سے ان کی ترتیب کوئی آسان کام نہ تھا۔ یہ ساری کاوش نہ صرف اس کتاب کے حُسن کو دوبالا کرتی ہے بلکہ قاری کے ذوق میں بھی اضافے کا باعث ہے۔ جہاں جہاں نظم کی صورت میں

بارگاہِ امامت میں خراجِ تحسین پیش کیا گیا وہ نہایت دلکش ہے اور اس میں ایک خاص کیف اور سرور ہے۔ شاہ صاحب نے ایک زبردست، مضبوط، حساس اور نہایت اہم اور فکر انگیز پیغام دیا جو Enlightened Civilized Society کے لیے ہے۔ مہذب ہونے کے لئے مغربی اقدار کا پرچار یا مادر پدر آزاد ہونا ضروری نہیں بلکہ ہمیں اسوۂ حسینی اور اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی اور نقوشِ پا سے مستفیض ہونا چاہیے۔

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نُور دل کا نُور نہیں

(اقبال رحمۃ اللہ علیہ)

آخر میں قرآن کریم کی آیت مبارکہ کا ذکر دعا کے لئے وسیلہ بناتے ہوئے یہ کہوں گا کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے ان لوگوں کے دلوں کو منور کرے جو ذکرِ امام حسین رضی اللہ عنہ سے گریزاں ہیں۔ ارشادِ باری ہے: "اللہ ایمان والوں سے بے حد پیار کرتا ہے۔ انھیں اندھیروں سے نُور کی طرف نکالتا رہتا ہے" اندھیروں سے نکلنے کے لئے نُور کربلا یعنی کربلا کی روشنی ناگزیر ہے۔ کربلا کا راستہ سیدھا ہے ہر اس شخص کے لئے جو جنت جانے کا متمنی ہے۔ جس کو جنت جانے کی خواہش ہے وہ جنت کے جوانوں کے سردار سے محبت کیوں نہیں رکھے گا؟ دعا گو ہوں کہ یہ کتاب اپنے نام کی طرح کربلا کی روشنی عام کرے اور گم گشتہ راہ کو تعصب، جہالت اور گمراہی کے اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائے اور صاحبِ کتاب کی سعی اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے (آمین)

اب جس کے جی میں آئے وہی پائے روشنی
ہم نے تو دل کو جلا کر سرِ راہ رکھ دیا

دعا گو، فقیرِ در بتولؑ

سید عامر علی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

از: مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر مدظلہ العالی

مہتمم جامعہ علوم اسلامیہ علامہ محمد یوسف بنوری ٹاؤن کراچی

الحمد لله رب العالمين و الصلاة و السلام على سيد الأ
نبياء و المرسلين و على آله و صحبه أجمعين

امابعد: ''نورِ کربلا، کربلا کی روشنی'' نامی مسودہ میرے پاس بغرضِ تقریظ لایا گیا۔ اس مسودے کا مقصد اس کے عنوان سے عیاں ہے۔ نواسۂ رسول ﷺ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت باسعادت کی روشنی میں عقیدت کا اظہار فرمایا گیا ہے۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا تذکرہ، آپ کی عظیم قربانی اور عزم و استقلال کے سنہرے اسباق پڑھنا، دہرانا اور سنانا عین ایمان ہے۔ تاہم حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے عظیم تذکروں اور سنہری کردار کو فرقہ وارانہ منافرت کا ذریعہ بننے سے بچانے کی ضرورت ہے، اس کے ساتھ ساتھ اس اسوۂ حسینی رضی اللہ عنہ کے مطابق اپنی زندگیوں کو ڈھالنے پر زور دینا چاہیے۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے نانا جان ﷺ کی تعلیمات کی روشنی میں اور خود حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی سیرت و کردار کے تناظر میں پوری امتِ مسلمہ کو دینی فریضہ کے طور پر شریعتِ محمدی ﷺ اور دینِ اسلام کے احیاء کے لئے جدوجہد کرنی چاہیے۔ ہمارے

معاشرہ کو فرقہ وارانہ منافرت ، ایک دوسرے کی دل آزاری ، خدا کی برگزیدہ و پاک ہستیوں، انبیاء کرام علیہم السلام ، اہل بیت اطہار اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے دلی تعلق و احترام اور ان کی محبت کے حوالے سے کسی بھی قسم کی بے ادبی کی روش سے آزاد ہو کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ایمان ، جذبۂ ایمان، عزم و استقلال اور ایثار و قربانی کو مشعلِ راہ بنانا چاہیے تاکہ گمراہی کی ظلمتوں سے ایمان بچا کر حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے دامنِ شفاعت سے وابستگی نصیب ہو سکے۔

بہر کیف حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے حقیقی عقیدت و محبت کا اولین تقاضہ بلکہ بنیادی شرط یہ ہے کہ ہم اپنے عقیدہ و عمل اور سیرت و کردار میں آپ کے نقوش کی پیروی اختیار کریں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور پوری امت کو بالخصوص محترم مؤلف کو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ایسی عقیدت و محبت نصیب فرمائے جو تعلیمات نبویہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق زندگیاں بدلنے ،بنانے اور ڈھالنے کا ذریعہ بنے۔۔۔۔۔آمین!

وصلی اللہ علیہ سیدنا محمد وعلیٰ آلہٖ و صحبہٖ اجمعین

عبدالرزاق اسکندر

مہتمم جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

از: قمر اہلحدیث، فضیلۃ الشیخ عبداللہ دانش حفظہ اللہ
مصنف ''شرح اربعین امام حسین رضی اللہ عنہ'' وخطیب مسجد البدر نیویارک، امریکہ

میرے نہایت ہی عزیز اور برخوردار، قاری ابوبکر العاصم نے، مجھے امریکہ روانگی سے قبل، سید فدا حسین شاہ صاحب کی کتاب ''نُورِ کربلا اور اقبال رحمۃ اللہ علیہ'' کا مسودہ تھما دیا تھا، نیویارک پہنچ کر، اسے کافی حد تک مطالعہ کیا، یہ کتاب ایک عاشقِ صادق نے حُبِ حسین رضی اللہ عنہ پر، دل کی گہرائیوں میں ڈوب کر لکھی ہے۔ نہایت خوبصورت انداز میں، امام حسین رضی اللہ عنہ اور خاندانِ نبوت کی قربانیوں کو پیش کیا ہے۔ اور مقصدِ شہادت کو واضح کیا ہے۔ اور فرقہ پرستی سے اظہار بیزاری کیا ہے، جس کی شدید ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ موصوف کی کاوش کو قبول فرمائے اور مسلمانوں میں مقبولِ عام بنائے، اور آخرت میں ذریعۂ نجات بنائے، آمین!

باقی اس کتاب کو محدثانہ نقطۂ نظر سے نہ دیکھا جائے کہ صحیحین کے معیار پر پرکھیں، اگر کوئی ضعیف روایت درج ہوگئی ہے تو صحیحین کے علاوہ، تمام کتب

حدیث میں بھی صحیح وضعیف روایات درج ہیں جو صحاح ستہ میں شمار ہوتی ہیں۔

اصل دیکھنے کی بات، جذبۂ خلوص ہے اور روایات کی اکثریت صحیح ہے۔

الحمدللہ!

اک فقر ہے شبیری، اس فقر میں ہے میری
میراثِ مسلمانی سرمایۂ شبیری

عبداللہ دانش
یکے از امیدوارانِ شفاعتِ نبی ﷺ
مؤرخہ 27 دسمبر 2015
خطیب مسجد البدر نیویارک

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

از: نجم اہلحدیث، قاری المقری ابوبکر العاصم حفظہ اللہ
مدیر اعلیٰ سہ ماہی میگزین "العاصم" و مدیر منتظم "العاصم اسلامک بکس" لاہور

الحمد للہ رب العلمین و الصلوۃ و السلام علی
سیدالمرسلین وعلی آلہ و اصحابہ اجمعین

آپ کی کتاب "نورِ کربلا اور اقبال رحمۃ اللہ علیہ" ہدیۂ دلنواز ہوئی۔ اول تا آخر بالاستیعاب مطالعہ کیا۔ یہ میرے لیے انتہائی سعادت ہے کہ آپ نے مجھے اس پر کچھ تعارفی کلمات لکھنے کا حکم دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ کہاں امام الشہداء حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی بلند و بالا شخصیت اور کہاں مجھ جیسا عاصی و گناہ گار۔ لیکن دین کی حقیقت کا اعتبار بلکہ دارومدار ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مطہرہ ہے۔ اور اسی ذاتِ مطہرہ کے اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم بھی راہ دین کے روشن مینار ہیں جو ذریعہ ہدایت و راہنمائی ہیں۔ گویا اس کتاب سے متعلق عرض کرنا میرا دینی فریضہ قرار پایا۔

اہلِ بیت اطہار رضی اللہ عنہم میں سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی ایک پیغام اور ایک فلسفہ ہے جو رہتی دنیا تک پوری انسانیت کے لیے مشعل ہدایت ہے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کا مدینہ سے چلنا اور کربلا پہنچنا، مظلومانہ شہید ہونا، سر مبارک کا ابن زیاد پلید

اور یزید پلید کے سامنے رکھا جانا، یہ ایسا فلسفہ ہے کہ جو شہادت کے رتبے پر فائز ہو جانے کے بعد بھی انسانیت کی راہنمائی کرتا رہا تھا، کر رہا ہے اور کرتا رہے گا۔ آج کا نام نہاد لبرل اسے نعوذ باللہ دو شہزادوں کی جنگ قرار دے کر اپنی ذہنی پستی کا جو اظہار کرتا ہے دراصل یہ وہ کور چشم حضرات کا گروہ ہے جو حق کی تیز و چمکدار روشنی میں آنکھیں بند کر کے بیٹھا ہوا ہے۔ اور باطل کی سیاہ اندھیری رات میں ہی گوشہ عافیت تلاش کرتا ہے۔

میری اس تمہید کا مقصد یہی ہے کہ فلسفہ کربلا دراصل ہماری روح کی بالیدگی کا ذریعہ ہے۔ یہ پیاسی روحوں کے لیے آبِ حیات ہے۔ اور راہ گم کردہ کے لیے مشعلِ راہ ہے۔ یہ جہاں اہلِ ایمان کے لیے سرمایہ ایمان ہے وہاں زندگی کے ہر شعبہ ہائے کار کے لیے ایک ایسی کسوٹی ہے جس سے ہم اپنے تمام زندگی کے شعبہ جات کی کارکردگی کو پرکھ سکتے ہیں۔ کتاب کا خوبصورت اسلوب اور جا بجا امام عالی قدر رضی اللہ عنہ کے حضور میں اشعار کتاب کے حسن بیان میں مزید روشنی پیدا کر رہے ہیں۔ مجھ ناچیز کی طرف سے اس قدر خوبصورت اور بامقصد کتاب مرتب کرنے پر ہدیۂ تبریک قبول فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سے مدحت امام عالی مقام اور فلسفہ امام عالی مقام کو بیان کرنے کا کام مزید در مزید لیتا رہے۔ آمین یا رب العالمین

والسلام مع الاکرام

خاکپائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و اہل بیت علیہم السلام

قاری ابوبکر العاصم عفی عنہ 5

جمادی الثانی ۱۴۳۷ھ بروز ہفتہ 16-01-2016

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

از: حضرت علامہ حافظ ظفر اللہ شفیق حفظہ اللہ
مصنف ''امام حسین رضی اللہ عنہ اور واقعۂ کربلا''، مدیر ادارہ صراطِ مستقیم
شعبۂ اسلامیات، ایچی سن کالج و خطیب مسجد خالد، کیولری گراؤنڈ، لاہور

کربلا ایک عظیم درسگاہ

حق و باطل کی معرکہ آرائیاں اور خیر و شر کی بوقلمونیاں نئی نہیں، بہت پرانی ہیں۔ اتنی پرانی کہ اِدھر انسان نے عالمِ وجود میں قدم رکھا، اُدھر ابلیسی قوت اُس کے مقابل آ کھڑی ہوئی۔

تاریخ کے دھارے کے ساتھ خیر و شر کی یہ کشمکش آگے بڑھتی رہی، یہاں تک کہ میدانِ کربلا میں آ پہنچی۔

معرکۂ کربلا نہایت عظیم بھی ہے اور عجیب بھی۔ انسان کی بلندئ کردار کا نمونہ بھی ہمیں کربلا میں دکھائی دیتا ہے تو پستئ کردار کی گھناؤنی مثالیں بھی کربلا ہی میں دوسری جانب نظر آتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رضا اور اُس کے دین کے لیے شہادت کے نئے انداز بھی کربلا

سے سمجھ آتے ہیں اور جابرانہ اور فاسقانہ حکومت کو بچانے کے لیے شقاوت و قساوت کی نئی نئی طرحیں بھی ریگزار کربلا ہی سے سنائی دیتی ہیں۔

ایک طرف کرم فرمائیوں کی داستان ہے، جو مکہ مکرمہ سے شروع ہوتی ہے اور کربلا میں بھی جاری ہے، دوسری طرف احسان فراموشیوں کا قصہ ہے، جو مکہ سے لحہ بہ لحہ، لیجہ بہ لیجہ چلتا ہوا کربلا میں نقطۂ عروج کو پہنچتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ واقعۂ کربلا صرف تاریخِ اسلامی نہیں، تاریخِ انسانی کا حیرت ناک واقعہ ہے۔ اس میں انسانی اقدار کے کمال پر بھی عقل دنگ ہے اور دوسری طرف انسانی اقدار کے زوال پر بھی شرافت ماتم کناں ہے۔

ماننا پڑتا ہے کہ کربلا تاریخ کا ایک ایسا پڑاؤ ہے کہ کربلا کے بعد کی تاریخ میں امانت و خیانت، وفا و جفا، ہار اور جیت، حق اور باطل، خیر و شر کے مفہوم کا تعین میدانِ کربلا سے ہوتا ہے۔ دینِ حق پر استقامت، راہِ حق میں آنے والے مصائب پر صبر و استقلال، حق کی دعوت میں عزیمت اور حق کی خاطر ایثار و قربانی ایسے اوصاف ہیں، جن کے ساتھ انسان ہار کر بھی جیت جاتا ہے، مر کر امر ہو جاتا ہے اور جسموں کو نہیں، دلوں کو فتح کرتا ہے۔

امام حسین علیہ السلام، عزم و عزیمت، ہمت و جرأت، دعوت و استقامت اور ایثار و قربانی کے امام ہیں اور اپنے انہی اوصاف جلیلہ کی بنا پر فاتحِ زمانہ ہیں۔

ہر زمانے کا مظلوم و مقہور، مسلم ہو یا غیر مسلم، امام حسین علیہ السلام کے حضور سلام عقیدت پیش کرتا ہے۔ ہر مظلوم و مجبور کو کربلا کی گود میں سکون ملتا ہے۔ ٹھکرائے ہوئے انسانوں اور آمریت کے جال میں پھنسے ہوئے بے کسوں کو آج بھی عزم و ہمت کی روشنی کربلا کی تپتی اور چمکتی ریت سے ملتی ہے۔

کربلا کی داستان لافانی ہے۔ ذاتِ باقی کی خاطر کی جانی والی قربانیوں کی

داستان کبھی فنا ہو بھی نہیں سکتی۔

خیر و شر کی کشمکش ختم نہیں ہوئی۔ یہ رزم آرائی آج بھی جاری ہے۔ کربلا کے سفاکوں کے فکری جانشین آج بھی کربلا کی عظیم قربانیوں کو دھندلانے میں مصروف ہیں۔ اور ایسے بھی خوش نصیب ہیں، جو ایسے بدنصیبوں کی بصیرت اور بصارت سے غبار صاف کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔

انہی خوش نصیب لوگوں میں ایک محترم جناب سید فدا حسین شاہ ترمذی ہیں۔ انہوں نے اپنے نام کو اپنا کام بنالیا ہے کہ زندگی مطالعۂ کربلا میں بِتا رہے ہیں۔ کربلا کے بارے میں پڑھتے، سنتے، سوچتے ہوئے ممکن نہ تھا کہ اظہار نہ ہو۔ چنانچہ "نورِ کربلا اور اقبالؒ" اس وقت ہمارے سامنے ہے۔ ہر صفحہ عقیدت کا ترجمان، ہر سطر مودت کی پیامی اور ہر لفظ محبت کی خوشبو ہے۔

"نورِ کربلا اور اقبالؒ" کتاب نہیں، جذبات ہیں اور جذبات کی لَے کا کبھی تیز اور کبھی مدہم ہونا فطری ہے۔

سفرِ جذبات میں دل کبھی ضعیف روایت سے بھی سکون و قرار پاتا ہے۔ ایسے مقام پر تنقید و تحقیق کا نشتر چلانا عبث ہے۔

"نورِ کربلا اور اقبالؒ" کو اِسی نظر سے دیکھا اور پڑھا جائے۔ ان شاء اللہ بصیرت کو جِلا ملے گی اور مودت میں اضافہ ہوگا۔

ظفر اللہ شفیق
شعبۂ اسلامیات، ایچی سن کالج لاہور
یکم فروری 2016، سوموار

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تقریظ

از: حضرت علامہ زید گل خٹک حفظہٗ اللہ

ماہر اقبالیات وایڈوائزر RUH فورم، ایچ کیوب گروپ آف کمپنیز، ڈی ایچ اے ۲،

اسلام آباد

الحمدللّٰہ ربّ العالمین واطیب الصلوٰۃ و السلام علی
رحمۃ اللعالمین و علیٰ آلہ طیبین و الطاہرین و اصحابہ
اجمعین و اتباعہ الیٰ یوم الدین

پیش آمدہ تحریر ایک ایسے نوجوان کے رشحاتِ قلم ہیں جن کو صرف مودت ہی نہیں، نسبت اور نسب کا فخر بھی حاصل ہے۔ اور وہ "پورِ علی ؓ زبوئے علی ؓ" چند کے مصداق ہے۔ یہ تحریر تحقیق سے کہیں زیادہ احساس کی خوشبو ہے جو رنگِ کربلا سے رنگ آمیز ہے۔ تحقیق میں دلیل اور استدلال کی بیساکھیوں کا سہارا لینا پڑتا ہے اور اثبات و استرداد کی وادیوں میں حیراں وغلطاں ہونا پڑتا ہے جبکہ واقعۂ کربلا عشق ہے۔ عشق دلیل سے عبارت نہیں، دلیل عشق کی محتاج ہے۔ اس لحاظ سے اگر میں اس تحریر کو بارگاہِ امامت میں ایک منفرد "نیاز جو ناز سے مرصع ہے" کہہ دوں تو بے جا اور مبالغہ نہ ہو گا۔ تقریظ کو تطویل دینا مطلوب نہیں لیکن کچھ جملہ ہائے سوز و گداز سپردِ قرطاس ضرور

کروں گا کہ روزِ محشر بوسہ گاہِ مصطفیٰ ﷺ یعنی جبینِ حسین ؑ سے اقتباسِ نُور پا کر حوضِ کوثر سے اپنا نصیب ٹٹول سکوں۔ ہم کچھ نہیں لیکن اتنے ضرور ہیں کہ ان کا ذکر ہماری زباں پر ہے اور بس اتنی خوش نصیبی بہت ہے نا!

رسول اللہ ﷺ از روئے نصِ محکمِ کتاب ، انفسنا،نساء نا اور ابناء نا کے ''نا'' میں مستور ہیں۔ انفس،نساء، ابناء سب جمع الجمع ہیں۔ انفس میں نفس اولیٰ و اوّل سیدنا امیرالمومنین علی ابن ابی طالب ؑ ہیں۔ انفس کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس نفسِ اولیٰ سے مؤدت کے نتیجے میں ہی انفس کے دائرہ میں کسی درجے میں داخل ہو سکتے ہیں اور تب نسبتِ رسول ﷺ حاصل ہو سکتی ہے۔ علیٰ ھذا القیاس نساءَ نا و ابناء نا کو محمول رکھا جائے۔ آیۂ تطہیر میں ان عالین کا اختصاص اور ختم المرسلین ﷺ کا اس منصوص اختصاص کا اعلان اور اہلِ بیتِ اطہار کا تعین، دارِ فاطمہ ؑ پر پے در پے سلام، مختلف اور متعدد مواقع پر اہلِ بیت کی ولایت و مؤدت کی تلقین و تاکید، سبطین سعیدین و نیّرین کو بار بار حد درجہ لاڈ دینا۔ ان کے لئے بسا اوقات نماز میں تعطل ،توقف اور توسع کرنا، امت کے درمیان ان کے لئے استحضار پیدا کرنے کے لئے براھینِ قاطعہ و منورہ ہیں۔

اسلام اہلِ بیت ہی کی دلچسپی (Concern) ہے۔ یہ فرزندانِ خلیل ؑ کی امانت ہے۔ اس لئے ابراھہ بد طینت کا بلوہ ہو یا حصارِ شریعت میں بنو ابن ابی معیط کی نقب زنی، سیدنا عبدالمطلب اور جنابِ ابوطالب بن عبدالمطلب ہی بر سرِ پیکار ہوں گے۔ دامنِ اسلام پر یزید ملعون جاھلیت کا غبار ڈالے اور حدیقۂ شریعتِ بیضا میں کوئی نابکار خارزقوم داخل کرنے کی سعیٔ نامسعود و مزموم کرے تو کیا فرزندِ خلیل ؑ، پاسبانِ ملتِ ابراہیم ؑ امیر المومنین حضرت امام حسین ؑ خاموش رہیں گے اور رخصت کا راستہ اختیار کریں گے۔ یہ کیسے ممکن ہے!

حق زندہ ز قوتِ شبیری است

امام علیہ السلام کا راستہ استقامت کا ہے اور آپ علیہ السلام کا محل بلا ہے۔ آپ علیہ السلام کا منصب خلعتِ ابراہیمی علیہ السلام ہے، آپ علیہ السلام آیۃ من آیاتِ اللہ ہیں اور شعائرِ معنوی میں آپ علیہ السلام کی نشست عالین کے ساتھ ہے۔ غالب نے جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ثنا اللہ پر چھوڑ دی، ہم بھی امام حسین علیہ السلام کی ثنا محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چھوڑتے ہیں چونکہ حسین علیہ السلام کے مناقب و منصب کی اصل شناسائی صرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہے۔

ورق تمام ہوا مدح باقی ہے !!
سفینہ چاہیے اس بحرِ بیکراں کے لئے

کنیز زادۂ الزہرا علیہا السلام
زید گل خٹک
ایڈوائزر RUH فورم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تقریظ

از: مفسرِ قرآن، حضرت علامہ پیر سید ریاض حسین شاہ مدظلہ العالی
صاحب تفسیر ''تبصرہ''، مرکزی ناظم اعلیٰ جماعتِ اہلسنّت پاکستان و سرپرستِ اعلیٰ
ادارہ تعلیماتِ اسلامیہ، خیابانِ سرسید، راولپنڈی

حسین علیہ السلام و کربلا اس کائنات کے سربستہ رازوں میں سے وہ عظیم راز ہیں جن کی حقیقت تک رسائی کے لیے لاکھوں خطبے صادر کیے گئے، ہزاروں کتابیں تصنیف کی گئیں اور بے شمار ادب پارے تخلیق کیے گئے۔۔۔۔۔۔۔ حسین علیہ السلام کون ہیں؟ اور کربلا کیا ہے؟ یہ تو کوئی بھی پوری طرح نہ جان سکا البتہ اس راز کو پانے کے لیے جو کوئی بھی دردمندی کے ساتھ میدانِ جستجو میں اترا اور جولانگاہِ تحقیق میں جس نے بھی قدم رکھا فطرت نے حقیقت کی خوشبو سے اس کی زندگی کو معطر ضرور کر دیا۔ حسین علیہ السلام پاک اور سانحہ کربلا کو کسی نے سرِ واحدانیت کہا تو کسی نے بنائے لا الہ قرار دیا کسی نے اسلام کی حیات نو کہا تو کسی نے بقائے انسانیت کی بنیاد قرار دیا۔ جستجوئے کربلا سینے میں سجا کے حسین علیہ السلام کے پیچھے چلنے والا دردمند اس میدان میں کبھی روتا بھی ہے اور چیختا بھی ہے گریہ وزاری بھی کرتا ہے اور نالہ و فریاد بھی اس کے حصے میں آتے ہیں۔

مگر جب مولا حسین علیہ السلام اسے سب زمانوں پہ چھائے نظر آتے ہیں تو اس کی روح دل اور دماغ سب خوشی سے پکار اٹھتے ہیں

''واہ حسین ؑ تری کیا بات ہے''

افراد کا وہ خوش بخت قافلہ جن کے حصے میں یادِ کربلا اور ذکرِ حسین ؑ آیا اُنہی میں سے ایک نام محترم سید فدا حسین شاہ صاحب کا بھی ہے سید صاحب کا تعلق رسولِ رحمت ﷺ کے عالی گھرانے سے ہے۔ اور اس گھرانے میں آنکھ کھولنے والوں کو تاریخ کربلا کے حوالے سے کسی گہری تحقیق کی ضرورت نہیں ہوتی، ان کے گھروں میں بچپن ہی سے ان کے رفیع المرتبت آباؤاجداد اور قابلِ فخر اسلاف کی عظیم القدر قربانیوں سے آگاہ کیا جاتا ہے۔ سیدنا امام زین العابدین ؑ کا ارشاد مبارک ہے کہ ہم اپنے بچوں کو اپنے آباواجداد کی قربانیوں کی تعلیم اس طرح دیتے ہیں جس طرح ہمارے گھروں میں پورے اہتمام کے ساتھ قرآن پڑھایا جاتا ہے۔ سید فدا حسین شاہ صاحب نے بھی اس قسم کے اظہارات اپنی اس تحریر میں کیے۔ لیکن وہ اگر ذکر نہ کرتے تو بھی ان کے قلم کا دردمندانہ انداز اس حقیقت کو پوری طرح عیاں کر رہا ہے کہ کربلا ان کی عقیدتوں کا مرکز اور حسین ؑ پاک ان کی زندگی کے امام ہیں۔

''آں امامِ عاشقاں پورِ بتول''

در حسین ؑ سے ''فدائے حسین'' نے انوار کے کتنے خزانے جمع کیے باذوق ہو کر ''نورِ کربلا اور اقبالؒ'' کا مطالعہ کرنے والا بآسانی جان لے گا۔ اللہ تعالیٰ مؤلف کو مزید کامیابیوں سے نوازے اور ان کے سوز و گداز اور عشق و محبت میں برکتیں عطا فرمائے۔

آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

دعا گو و دعا جو

سید ریاض حسین شاہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للّٰہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علیٰ اشرف
الانبیاء و المرسلین وعلیٰ آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین

کربلا میری روح اور میرے خون میں ہے۔ کربلا کا درد، کربلا سے رشتہ، کربلا کا ادراک میرے شعور اور لاشعور میں ہے۔ میں نے جب شکمِ مادر سے دنیا میں آنکھ کھولی تو وہ ۷ محرم کا دن تھا، اس لیے کربلا کے ساتھ میرا تعلق پہلے دن سے ہے۔ بچپن ہی سے جب کھیلنے کودنے کی عمر ہوتی ہے، سیدِ کربلا اور کربلا کا درد، عشق اور احساس میری روح اور تخیل میں موجزن ہے۔ میں ہر فرقے کے شرپسندوں سے بیزار ہوں اور ہر فرقے کے حق پرستوں کو میرا سلام ہے۔ میں کسی ایک فرقے سے وابستہ ہونے سے زیادہ امتِ مسلمہ کی وحدت کا قائل ہوں۔ مگر ناصبیت، خارجیت اور دجل و فریب کے بڑھتے ہوئے رجحان سے سخت نالاں ہوں۔ جس طرح صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور امہات المومنین رضی اللہ عنہن کی زندگیاں ہمارے لئے مشعلِ راہ ہیں، اسی طرح اہلِ بیتِ اطہار علیہم السلام کی زندگیاں اور ان سے تمسک ہماری نجات کے لئے اہم ہے۔ بہت افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ آج ناصبی پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر امتِ مسلمہ کی ایک کثیر تعداد امامِ عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کے ذکر سے صرفِ نظر کرتی ہے۔ پڑھے لکھے لوگوں کا یہ حال ہے کہ وہ کربلا کے ذکر سے غافل اور فہم سے نابلد ہیں۔ کربلا کا شعور ہے اور نہ ادراک۔ کربلا اور اسکے محرکات کو جاننے کی کوشش کی اور نہ اس کی اہمیت، فلسفے اور

تعلیمات کو سمجھ سکے۔ کربلا کے ذکر کو صرف شیعہ کا شعار سمجھا گیا اور کربلا کا ذکر کرنے والے کو شیعہ کے لقب سے نواز کر اس طرف سے اپنا دماغ بند کر لیا گیا۔ جبکہ حسینیت فرقہ پرستی کی مذمت کرتی ہے اور وحدتِ اُمت کا درس دیتے ہوئے:

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعاً وَّلَا تَفَرَّقُوْا

کا مژدۂ جانفزا سناتی ہے۔

اثر کرے نہ کرے، سُن تو لے مری فریاد
نہیں ہے داد کا طالب یہ بندۂ آزاد

(علامہ محمد اقبالؒ، بالِ جبریل)

امام حسینؑ اور کربلا مسلمانوں کی یکجہتی کا مرکز ہیں۔ کربلا نکتۂ اتحاد اور امام حسینؑ مرکزِ انسانیت ہیں۔ آج جو بھی ظالم کا ساتھی ہے، وہ یزید کے ساتھ کھڑا ہے اور جو مظلوم ہے یا مظلوم کی حمایت کرنے والا ہے، وہ حسینی ہے۔ حسینِ مظلومؑ کا ذکر اور کربلا میری گھٹی میں ہے اور ہماری ساری عزت وناموس اور نسلیں، ہمارے بزرگ جو اس دنیا سے گزر گئے اور اولادیں جو صبحِ قیامت تک آنی ہیں، تمام قربان نامِ حسینؑ اور کربلا پر۔ کربلا ہماری پہچان اور ہمارا لازوال ورثہ ہے۔ میرے نانا سید سلیمان شاہ صاحب مرحوم (اللہ ان کے درجات بلند کرے اور ان پر اپنی رحمتیں نچھاور کرے) بچپن میں ہمیں کربلا اور امام حسینؑ کے بارے میں جب بتلاتے تو کربلا کو جاننے اور سمجھنے کا شوق بڑھتا جاتا۔ وقت کے ساتھ کربلا کی جزئیات اور تفصیلات جاننے کے جذبے میں اضافہ ہوتا گیا، یہاں تک کہ جب سے ہوش سنبھالا کربلا کو پڑھتا چلا آرہا ہوں۔ کربلا کے عنوان پر جس نے بھی کتاب لکھی، محبت سے لکھی یا عداوت میں لکھی، مؤلف جس مکتبِ فکر سے بھی تھا، جس غرض سے بھی لکھی گئی، جہاں نظر آئی، جتنی بھی قیمت پر دستیاب تھی، خرید لی۔ یوں میری اپنی ذاتی

لائبریری میں کربلا کے عنوان پر لکھی گئی ۶۰۰ سے زائد کتب موجود ہیں۔ کربلا کو قرآن، سنت، حدیث اور تاریخ کی روشنی میں پڑھا۔ کربلا کو سمجھنے کی کوشش کی، کربلا کو پڑھتا چلا گیا۔ کربلا پر کوئی سطر لکھی گئی، کوئی بات کی گئی یا کوئی مقالہ یا رسالہ لکھا گیا، اسے اپنے دل و دماغ میں بٹھایا۔ کربلا کے حالات و واقعات کا جائزہ لیا۔ افراط و تفریط سے بچتے ہوئے کربلا کا فہم حاصل کیا، کربلا کا حسی و معنوی شعور اور ادراک حاصل کیا۔ اس کے بعد یہ جانا کہ کربلا ہماری دنیا اور ہمارے دین کے لئے کتنی ناگزیر ہے۔ کربلا سے گریز اں ہو کر دنیا میں فلاح مل سکتی ہے نہ آخرت میں نجات۔ کربلا کو جس نے بھی مفاسدِ کثیرہ ومباحثِ فضولہ سمجھ کر اس سے اجتناب کی ترغیب دی اور ذکرِ کربلا وامامِ عالی مقام علیہ السلام سے روکا، وہ وَّ یَصۡلٰی سَعِیۡرًا کے مصداق ذلت و ناکامیوں کی پستیوں میں جا گرا۔

حضرت ملا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ اس بات کو یوں بیان فرماتے ہیں:

بہ بدخواہِ اولادِ حیدر خدا گفت
کہ یدعو ثبوراً و یصلیٰ سعیراً

کربلا کو سمجھنے کے لیے قلب کا پاک اور روح کا سعید ہونا ضروری ہے!

اے بادِ بیابانی! مجھ کو بھی عنایت ہو
خاموشی و دل سوزی، سرمستی و رعنائی

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بالِ جبریل)

قائم ہو بدن سے جب کفن کی نسبت
چہرے سے عیاں ہو پنج تن کی نسبت
یا رب مری تقدیر میں لکھ دے تا حشر
زہرا رضی اللہ عنہا و حسین علیہ السلام و حسن علیہ السلام کی نسبت

(پیر سید نصیر الدین نصیر رحمۃ اللہ علیہ)

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے
دلِ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سوزِ صدیق رضی اللہ عنہ دے

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بالِ جبریل)

کربلا کا ادراک حاصل کرنے کے بعد پتا چلتا ہے کہ امامِ عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ سے دینِ اسلام کی پہچان ہے۔ کربلا کھرے اور کھوٹے کو جانچنے کے لئے بہترین کسوٹی ہے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ دین کی بقا اور دین اسلام کی تعلیمات کا عملی شاہکار ہیں۔ میں یہ کتاب گزشتہ ۲۵ سال پر محیط کربلا کے عنوانات پر لکھی گئی کتب کی عرق ریزی کے بعد کربلا کے ادراک کے لئے تحریر کر رہا ہوں۔ اس میں شامل تمام مواد جمہور کے ہاں مسلّم ہے۔ میری یہ وصیت ہے اپنی اولاد کے لئے اور گزارش ہے تمام دوستوں، رشتہ داروں اور چاہنے والوں سے کہ آپ خود بھی کربلا کا ادراک حاصل کریں اور اپنی اولاد کو بھی کربلا کے شعور اور معرفت سے ہمکنار کریں۔ کربلا اور حسین رضی اللہ عنہ کا ذکر خود ربِ ذوالجلال نے کیا، پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بیان فرمایا۔ ذکرِ حسین رضی اللہ عنہ نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی و عملی سنتِ مبارکہ ہے۔ سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے حسنین رضی اللہ عنہما کے ساتھ محبت کا ہر انداز اپنایا اور بالخصوص حسنین رضی اللہ عنہما کے ساتھ محبت کی تاکید بھی فرمائی۔ مسجد میں، نماز میں، سجدے میں، خطبوں میں، گھر پر، سفر میں اور بازار میں اس محبت کا چرچا کیا۔ احادیث کی کتب ان واقعات کی تفصیلات سے بھری پڑی ہیں۔

امامِ عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ ریحانۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم، سبطِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم، راکبِ دوشِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم، نواسۂ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور نبیِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کا چین ہیں۔ حسینی افکار اور کربلا میں امامِ عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کی عزیمت، آغوشِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پروردہ حسین رضی اللہ عنہ کے عملی اقدامات رہتی دنیا تک انسانیت کے لئے

مشعلِ راہ ہیں۔ یزید کے پاس فوج تھی، اس نے ڈرا دھمکا کر اور مال خرچ کر کے انسان نما درندوں کو خرید ا اور اپنے مطلب کے لئے استعمال کرتے ہوئے گلشن رسالت ﷺ کے پھولوں کو مسلنے کی ناکام کوشش کی مگر امام حسین رضی اللہ عنہ قیامت تک ہر غیور انسان کے دل اور روح میں رچے بسے ہوئے ہیں۔ یزید اور اس کے ساتھی تمام تر وسائل، ظلم اور جبر کے باوجود ہمیشہ کی ذلت کے ساتھ دفن ہو گئے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کامیاب ہو گئے اور یزید نامراد ہو گیا۔

کربلا کا ادراک اور معرفت قدرت کی عطا کردہ نعمتوں میں سے ایک بیش قیمت نعمت ہے۔ اللہ کا شکر ہے جس نے اس متاعِ بے بہا سے نوازا اور سرکارِ ختمیٔ مرتبت ﷺ کے نواسے کی مودّت عطا کی۔ محرم الحرام کا چاند جونہی نظر آتا ہے تو دفتری اوقات کے علاوہ میں ۱۰ محرم الحرام تک مراقبے میں چلا جاتا ہوں۔ کربلا کو پڑھتا ہوں، کربلا کو سوچتا ہوں اور کربلا کے تصور میں گم ہو جاتا ہوں۔ اس کے نتیجے میں جو سوز و گداز میری روح کو حاصل ہوتا ہے وہ احاطۂ تحریر میں نہیں لایا جا سکتا، اسے صرف اہلِ عرفان ہی محسوس کر سکتے ہیں۔

کربلا کو ۲۵ سال پڑھنے اور کربلا کا ادراک حاصل کرنے کے بعد اس دفعہ کربلا کے کچھ عنوانات کے تحت پہلی بار لکھا اور یہ تحریر اپنی فیس بک پر اس غرض سے اپ لوڈ کی کہ بھٹکے ہوئے آہو منزل پا لیں۔ اس حوالے سے جو مضامین میری روح پر اترتے رہے یا میں محسوس کرتا رہا، انھیں الفاظ کے قالب میں ڈھالتا رہا۔ جب کافی عنوانات مکمل ہو گئے تو سوچا کہ انھیں اکٹھا کر کے ایک مستقل کتاب کی شکل میں شائع کر دوں تاکہ راہروِ تمنا زیست کا مقصد حاصل کر سکیں۔ کیوں کہ جب بھی میں بھٹکا، کربلا نے مجھے اپنی طرف کھینچا۔ جب بھی پریشان ہوا، کربلا نے حوصلہ دیا۔ جب بھی کوئی آزمائش آئی، کربلا نے میری ڈھارس بندھائی۔ جب بھی میں ناامید ہوا، کربلا امید بن کر

سامنے آئی۔ کربلا نے جینے کا قرینہ سکھایا۔ کربلا نے افکار کو روشنی بخشی۔ کربلا نے ہمیشہ تنگ نظری سے بچایا۔ کربلا نے تخیل کو وسعت عطا کی۔ کربلا نے ہر انسان کی عزت کرنا سکھایا، خواہ اس کا تعلق کسی بھی رنگ، نسل، مذہب، فرقے یا علاقے سے ہو۔ کربلا نے محبتیں بانٹنا سکھایا۔ کربلا نے دل، ذہن اور سوچ کو کشادگی بخشی۔ کربلا نے مظلوم کا ساتھ دینا اور ظالم سے مقابلہ کرنا سکھایا۔ کربلا نے کلمۂ حق کہنا سکھایا۔ کربلا ہمارے دکھوں کی ساتھی ہے۔ کربلا ہماری زندگی کا حاصل ہے۔

کربلا زندگی، کربلا روشنی، کربلا غم، کربلا صراطِ مستقیم، کربلا آئینۂ حق، کربلا پر زندگی قربان، کربلا پر ہماری نسلیں قربان، کربلا علم، کربلا آگہی، کربلا حمیتِ انسانی، کربلا غیرتِ مسلم، کربلا آزادی و طہارتِ افکار، کربلا دین کا شعار، کربلا دین کا شعور، کربلا مقتلِ امامِ عالی مقام ؑ، کربلا معلی، کربلا انسانیت کی عظمت، کربلا مینارۂ نور، کربلا حریتِ انسانی کا تحرک، کربلا امید، کربلا ہدایت کا منبع، کربلا مشیتِ ربِ ذوالجلال، کربلا فرمانِ مصطفےٰ ﷺ، کربلا ذبحِ عظیم، کربلا وفا شعاری، کربلا جرأت و بہادری، کربلا عزیمت، کربلا صبر و استقلال، کربلا عزم و حوصلہ، کربلا عابدوں کا ناز، کربلا عبادتوں کا مسکن، کربلا خواتین کا کردار، کربلا حق کی اساس، کربلا بچوں کی پیاس، کربلا بوڑھوں کا ولولہ، کربلا ہمارا عقیدہ، کربلا دلیلِ حق، کربلا کامیابی کی نوید، کربلا حق کا استعارہ، کربلا اتمامِ حجت، کربلا فصاحت و بلاغت، کربلا رازِ حق، کربلا گنجِ شہیداں، کربلا عجز و نیاز، کربلا بندگی، کربلا شہادتِ جہری، کربلا اولیاء کی آماجگاہ، کربلا ابتلا، کربلا امتحان، کربلا مظلوم کی ڈھارس، کربلا حق گوئی و بیباکی، کربلا جابر سلطان کے سامنے کلمۂ حق، کربلا اعلائے کلمتہ الحق، کربلا تکریمِ انسانی کی بقا، کربلا درسگاہِ عظیمہ، کربلا آئینِ حریت، کربلا منشورِ خودی، کربلا دستورِ صبحِ نو، کربلا کرب و بلا، کربلا کربلا۔۔۔۔

چشم و گوش و لب کشا اے ہوشمند
گر نہ بینی راہ حق بر من بخند

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، اسرارِ خودی)

ترجمہ: اے ہوشمند انسان! تو اپنی آنکھیں، کان اور لب کھول، اگر تجھے حق کا راستہ دکھائی نہ دے تو اس وقت مجھ پر ہنس (میرا مذاق اڑا)۔

الغرض امامِ عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ ہمارے ہیرو اور رہبر ہیں اور کربلا منشور۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لاڈلے نواسے، جنابِ حسن رضی اللہ عنہ کے بھائی، علی کرم اللہ وجہہ کے نُورِ عین اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کے چاند ہیں۔ حسین رضی اللہ عنہ گلشنِ اہلِ بیت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے پھول ہیں۔

وصل کے اسباب پیدا ہوں تیری تحریر سے
دیکھ کوئی دل نہ دکھ جائے تیری تقریر سے

(علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بانگِ درا)

علامہ صاحب کے اس شعر کو دعا کے طور پر لیتے ہوئے یقین رکھتا ہوں کہ نیک نیتی سے لکھی گئی یہ تحریر کسی کا دل دکھائے بغیر قارئین کو کربلا کے نُور (روشنی) سے منوّر کرے گی اور محبتوں کے فروغ کا ذریعہ بنے گی۔ سلام ہو آپ پر اے کربلا کے غازیو، اے کربلا کے شہیدو، کربلا کی عفت مآب شہزادیو۔ سلطانِ کربلا کو ہمارا سلام ہو۔

سید فدا حسین شاہ ترمذی
اسسٹنٹ پروفیسر
کامسیٹس انسٹیٹیوٹ آف انفارمیشن ٹیکنالوجی، ایبٹ آباد
۲۷ نومبر ۲۰۱۵ بمطابق ۱۴ صفر المظفر ۱۴۳۷ ہجری
03009117066
fidahshah@gmail.com

کربلا

جس کے خوں سے چہرۂ ایام لالہ فام ہے
کربلا اسلام کی ایسی دھنک کا نام ہے

استقامت مرگ آسا مرحلوں کے سامنے
جنگ وہ اپنے یقینی مقتلوں کے سامنے

خامشی کو شہر کی آواز کر دینے کا نام
پیاس میں دریا نظر انداز کر دینے کا نام

ایک زخمی پیش قدمی کا سفر ہے کربلا
جذبِ جاں، تسکینِ دل، تمکینِ سر ہے کربلا

اپنی ویرانی نئی صورت گری کے روپ میں
نصب کر دینا جری شبنم کا خیمہ دھوپ میں

راستی سے غیر متزلزل الوہی واسطہ
جنگلوں میں بھیڑیوں سے چھین لینا راستہ

کاغذوں سے گردبادی آندھیوں کو تھامنے
ایک تنہا شخص وا ہر لشکروں کے سامنے

روشنی کو جیت لینا وقت کی میزان سے
زندگی کو ہار دینا فاتحانہ شان سے

حریت کا عہدنامہ آدمی کے واسطے
سچ کا فرمانِ بغاوت ہر صدی کے واسطے

(نامعلوم)

کربلا کا فہم اور ادراک کیوں ضروری ہے؟

فرامینِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مقامِ اہل بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ اور کربلا کا ذکر ہر مسلمان پر لازم ہے۔ حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ نے مختلف کتبِ احادیث میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کرتے ہوئے اہلِ بیت علیہم السلام کو سفینۂ نجات قرار دیا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے اہلِ بیت کی مثال سفینۂ نوح کی سی ہے، جو اس میں سوار ہوا، نجات پا گیا اور جو الگ رہا، ہلاک ہو گیا۔

علامہ زمخشری نے تفسیرِ کشاف میں اور باقی مفسرین و محدثین نے یہ احادیث بیان کی ہیں کہ سرکارِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

آگاہ ہو جاؤ جو محبتِ اہلِ بیت علیہم السلام پر مرے، شہید ہے۔ آگاہ ہو جاؤ جو محبتِ اہلِ بیت علیہم السلام لے کر مرے، وہ بخشا ہوا مرتا ہے۔ آگاہ ہو جاؤ جو محبتِ اہلِ بیت علیہم السلام پر مرتا ہے، اس کی موت اس حالت میں ہوتی ہے کہ وہ توبہ کیا ہوا مرتا ہے۔ آگاہ ہو جاؤ جو

محبتِ اہلِ بیت پر مرتا ہے، وہ کامل ایمان کے ساتھ مرتا ہے۔ آگاہ ہو جاؤ جو محبت آلِ محمد ﷺ پر مرتا ہے، ملک الموت اس کو جنت کی خوشخبری دیتا ہے اور قبر میں دو فرشتے (نکیرین) اس کو بہشت کی خوشخبری دیتے ہیں۔ آگاہ ہو جاؤ جو محبتِ اہلِ بیت پر مرتا ہے، جس طرح دلہن شوہر کے گھر بھیجی جاتی ہے، اس کو بہشت کی طرف بھیجا جاتا ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ

(روزِ قیامت) تم اُسی کے ساتھ ہو گے جس سے محبت رکھتے ہو۔

ترمذی اور مشکوۃ المصابیح میں حدیث آئی ہے کہ آقائے نامدار ﷺ نے حضرات علی رضی اللہ عنہ، حسن رضی اللہ عنہ، حسین رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ارشاد فرمایا: جو ان سے لڑے میں ان سے لڑنے والا ہوں اور جو ان سے صلح کرے میں اس سے صلح کرنے والا ہوں۔

صحیح مسلم، ترمذی، مسند امام احمد بن حنبل اور مشکوۃ شریف سمیت جمیع تعداد میں محدثین نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں تمھارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ایک اللہ کی کتاب اور دوسری میری عترت اہلِ بیت۔ ان میں سے دونوں ایک دوسرے سے بڑھ کر اہمیت کی حامل ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ میرے بعد تم ان دونوں سے کیا سلوک کرتے ہو۔ میں تمھیں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔ میں تمھیں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔ میں تمھیں اپنے اہلِ بیت کے بارے میں اللہ کی یاد دلاتا ہوں۔

حافظ ابنِ کثیر، امام جلال الدین سیوطی اور دیگر مفسرین نے اپنی تفاسیر میں اور امام طبرانی نے معجم الکبیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت بیان کی کہ جب سورہ شوریٰ کی یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی (قُلْ لَّآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي

الْقُرْبٰی یعنی اے حبیب ﷺ! آپ کہہ دیجیے کہ میں تم سے کارِ رسالت پر کوئی اجر نہیں مانگتا مگر یہ کہ میرے قرابت داروں سے محبت ومودت کرو) تو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ! آپ کے قرابت دار کون ہیں جن کی محبت ہم پر واجب کی گئی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا: علی رضی اللہ عنہ، فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کے دونوں بیٹے (حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ)۔

ترمذی شریف میں حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان ہوئی ہے کہ ایک دفعہ حضور نبی کریم ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پکڑے اور فرمایا: جو مجھ سے محبت کرے گا اور ان دونوں (حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ) سے اور ان دونوں کے والد (حضرت علی رضی اللہ عنہ) اور ان دونوں کی والدہ (حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا) سے محبت کرے گا، وہ قیامت کے دن میرے ساتھ میرے درجہ میں ہوگا۔

امام مسلم نے اپنی صحیح میں حضرت صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا: ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ صبح کے وقت اس حال میں تشریف لائے کہ آپ ﷺ نے ایک چادر اوڑھ رکھی تھی جس پر سیاہ اُون سے کجاووں کے نشان بنے ہوئے تھے۔ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ آئے تو آپ ﷺ نے انھیں اس چادر میں داخل فرما لیا، پھر حضرت حسین رضی اللہ عنہ آئے اور ان کے ساتھ چادر میں داخل ہو گئے۔ پھر حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا آئیں تو آپ ﷺ نے انھیں بھی چادر میں داخل فرما لیا۔ پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ آئے تو آپ ﷺ نے انھیں بھی چادر میں داخل فرما لیا۔ پھر آپ ﷺ نے (سورہ احزاب کی) یہ آیت مبارکہ پڑھی:

إِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَ كُمْ تَطْهِيْرًا

یعنی اے اہلِ بیت! اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے (ہر طرح کی) آلودگی دور کر دے اور تمھیں خوب پاک و صاف کر دے۔ (اسی وجہ سے محمد ﷺ، علی ؓ، فاطمہ ؓ، حسن ؓ اور حسین ؓ کو آلِ عبا، اہلِ کساء اور پنجتن پاک بھی کہا جاتا ہے) اسی طرح کی احادیث ام المومنین حضرت ام سلمہ ؓ سے بھی روایت ہوئی ہیں۔

ترمذی اور مسند احمد بن حنبل میں حضرت انس بن مالک ؓ سے یہ حدیث روایت ہوئی ہے کہ نبی اکرم ﷺ کا یہ معمول رہا ہے کہ جب نماز فجر کے لئے نکلتے اور حضرت فاطمہ ؓ کے دروازے کے پاس سے گزرتے، تو فرماتے: اے اہلِ بیت! نماز قائم کرو (اور پھر سورہ احزاب کی یہ آیت پڑھتے) اے اہلِ بیت! اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ تم سے (ہر طرح کی) آلودگی دور کر دے اور تمھیں خوب پاک وصاف کر دے۔

مسلم شریف میں حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ سے روایت ہے کہ جب ۱۰ ہجری میں آیتِ مباہلہ نازل ہوئی تو پیغمبرِ اکرم ﷺ سیدنا حسین ؓ، سیدنا حسن ؓ، سیدہ فاطمہ ؓ اور سیدنا علی ؓ کو ساتھ لے کر گھر سے نکلے تو یوں فرمایا: اے اللہ! یہ میرے اہلِ بیت ہیں۔

سنن ترمذی اور ابنِ ماجہ میں بحوالہ حضرت ابوسعید خدری ؓ اور حضرت عبداللہ بن عمر ؓ احادیث بیان ہوئی ہیں کہ رسولِ خدا ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّةِ

یعنی حسن اور حسین ؓ جنّتی جوانوں کے سردار ہیں۔

ترمذی شریف میں عبد اللہ بن عمر ؓ سے روایت بیان ہوئی ہے، مشکوٰۃ شریف اور دیگر کتب میں بھی یہ حدیث مبارکہ بیان ہوئی ہے۔ حضرت ابو ایوب انصاری ؓ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان الحسن و الحسین هماریحا نتا ی من الدنیا

یعنی بے شک حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔

ترمذی شریف میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی گئی ہے:

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کسی کام کے سلسلے میں حاضر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کپڑے میں کچھ چھپائے ہوئے بیٹھے تھے۔ مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ مستور (چھپی ہوئی) چیز کیا ہے۔ جب میں کام سے فارغ ہوا تو میں نے استفسار کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کس چیز پر کپڑا ڈالے ہوئے ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کپڑا اٹھایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رانوں پر حسن اور حسین رضی اللہ عنہما بیٹھے تھے۔ فرمایا:

هٰذَانِ ابْنَایَ وَابْنَا ابْنَتِیْ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اُحِبُّھُمَا فَاَحِبَّھُمَا وَاَحِبَّ مَنْ یُّحِبُّھُمَا

یعنی یہ دونوں (حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ) میرے بیٹے ہیں اور میری بیٹی (فاطمہ رضی اللہ عنہا) کے بیٹے ہیں، اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان سے محبت فرما اور ان دونوں سے محبت کرنے والوں سے بھی محبت فرما۔ گویا یہ معلوم ہوا کہ حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کے چاہنے والے محبوبانِ خدا ہیں۔ اور اس حدیث اور آیتِ مباہلہ میں ابنا ئنا کے تحت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ہیں۔

ترمذی شریف میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بیان ہوا ہے کہ حسن رضی اللہ عنہ سینہ سے سر تک رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل شبیہ تھے اور حسین رضی اللہ عنہ سینہ سے نیچے (پاؤں) تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل شبیہ تھے۔

سنن نسائی میں امام نسائی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے مجھ سے محبت کی، اس پر لازم ہے کہ وہ ان دونوں (حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ) سے محبت کرے۔

فیض القدیر اور دوسری کتب حدیث میں ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے

فرمایا:

اَدِّبُوْا اَوْلَادَکُمْ عَلٰی ثَلَاثِ خِصَالٍ حُبِّ نَبِیِّکُمْ وَ حُبِّ اَھْلِ بَیْتِہٖ وَ قِرَآۃِ الْقُرْاٰن

یعنی اپنی اولاد کو تین خصلتیں (چیزیں) سکھاؤ! اپنے نبی ﷺ سے محبت، آپ ﷺ کے اہلِ بیت سے محبت اور قرآن کی قرأت۔

ترمذی شریف کی حدیث ہے، رسولِ محتشم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَحِبُّوْا اللّٰہَ لِمَا یَغْذُوْکُمْ مِنْ نِعَمِہٖ وَاَحِبُّوْنِیْ بِحُبِّ اللّٰہِ فَاَحِبُّوْا اَھْلَ بَیْتِیْ بِحُبِّیْ

یعنی اللہ تعالیٰ سے محبت کرو کہ وہ نعمتوں سے غذا عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے محبت حاصل کرنے کے لئے مجھ سے محبت کرو اور میری محبت حاصل کرنے کے لئے میرے اہلِ بیت سے محبت کرو۔

ابنِ ماجہ میں حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے حدیث روایت کی گئی ہے کہ ہادیٔ برحق حضرت محمد ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ سے محبت کی اس نے درحقیقت مجھ سے ہی محبت کی اور جس نے ان سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی۔

الصواعق المحرقہ میں امام ابنِ حجر مکی نے یہ حدیث بیان کی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے میرے قرابت داروں کو اذیت دی اس نے مجھے اذیت دی اور جس نے مجھے اذیت دی اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی۔ اسی طرح رسولِ محتشم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس خدا کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ کوئی بندہ مجھ سے محبت کیے بغیر مجھ پر ایمان نہیں لا سکتا اور وہ اس وقت تک مجھ سے محبت نہیں کر سکتا جب تک میرے قرابت داروں سے محبت نہ کرے اور ان کو اپنی جان کا مقام نہ دے۔

ترمذی شریف میں ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے حدیث بیان ہوئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: چھ لوگ ایسے ہیں جن پر میں (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) خود لعنت کرتا ہوں، اللہ رب العزت بھی لعنت کرتا ہے اور تمام انبیائے کرام علیہم السلام بھی لعنت کرتے ہیں۔ان میں سے ایک وَالْمُسْتَحِلُّ مِنْ عِتْرَتِیْ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ یعنی جو میرے اہلبیت اور خاندان کی توہین کرے۔

امام حاکم نے المستدرک میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر کوئی بندہ حجرِ اسود اور مقامِ ابراھیم کے درمیان عبادت کرے، نمازیں پڑھے، روزے رکھے، مگر اللہ کے سامنے اس حال میں پیش ہو کہ اس کے دل میں میرے اہلِ بیت کا بغض ہو تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے (حافظ ذھبی نے اسے مسلم کی شرائط پر حسن صحیح کہا ہے)۔

اہلِ بیتِ عظام بالخصوص حضرت علی رضی اللہ عنہ، حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کے ناموں کے ساتھ ''رضی اللہ عنہ'' کے ساتھ ساتھ محدثین کرام نے اپنی اپنی کتبِ احادیث میں ''علیہ السلام'' یا ''سلام اللہ علیہ'' وغیرہ کے الفاظ استعمال کیے ہیں اسی طرح سیدہ فاطمہ کے نام کے ساتھ ''رضی اللہ عنھا'' کے علاوہ ''علیھا السلام'' یا ''سلام اللہ علیھا'' استعمال کیا ہے۔

ان محدثین میں امام بخاری، امام مسلم، امام ترمذی، امام ابنِ ماجہ، امام احمد بن حنبل، امام دار قطنی، امام غزالی، امام نُورالدین ھیثمی، امام ابنِ جوزی، علامہ ابن القیم، امام حاکم نیشاپوری، امام محب الدین طبری اور امام ابن حجر عسقلانی وغیرھم شامل ہیں۔
اس عنوان پر عبداللہ دانش صاحب نے ''شرح اربعین امام حسین رضی اللہ عنہ'' اور قاری ظہور احمد فیضی صاحب نے اپنی کتاب ''شرح خصائصِ علی رضی اللہ عنہ'' میں بہت مفصل اور مفید گفتگو فرمائی ہے۔

کتب بعنوانِ کربلا بدستِ علمائے حق پرست:

امتِ مسلمہ کے ہر مکتبہ فکر سے حق پرستوں نے واقعہ کربلا اور امام حسینؓ پر کتب تحریر کی ہیں۔ ہزارہا کتب اس موضوع پر لکھی گئیں ہیں، جن میں سے کچھ نام اس کتاب کے آخر میں درج ہیں۔ ان میں سے اہلِ حدیث کے مایہ ناز مصنف عبداللہ دانش صاحب نے بہت شاہکار کتب "متن اربعین حسینؓ" اور "شرح اربعینِ امام حسینؓ" کے ناموں سے لکھی ہیں، پڑھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ بریلوی مکتبِ فکر سے علامہ شفیع اوکاڑوی صاحب اور ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب و دیگر علماء کی متعدد کتب اس حوالے سے موجود ہیں۔ قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کی کتاب "شہیدِ کربلاؓ اور یزید"، مفتی محمد شفیع عثانی صاحب کی کتاب "شہیدِ کربلا"، شیخ الحدیث مولانا عبدالرشید نعمانی صاحب کی کتب کا مجموعہ "حادثۂ کربلا اور اس کا پس منظر" مرتبہ ڈاکٹر محمد محسن عثمان ندوی کے علاوہ مکتبِ مودت سے وابستہ حافظ ظفر اللہ شفیق صاحب نے انتہائی محبت اور اخلاص سے "واقعۂ کربلا اور امام حسینؓ" کے نام سے کتاب تحریر فرمائی ہے۔ بے مثال جذبے اور محبت کا اظہار ہے۔

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
یہاں اب میرے رازداں اور بھی ہیں

(علامہ محمد اقبالؒ، بالِ جبریل)

مولانا طارق جمیل صاحب اور مودتِ اہلِ بیت:

جب حافظ ظفر اللہ شفیق صاحب نے اپنی کتاب مولانا طارق جمیل صاحب کو پیش کی تو انھوں نے یہ کتاب پڑھ کر جن خیالات کا اظہار کیا وہ قارئین کے ذوقِ مطالعہ

کے لئے درج کر رہا ہوں:

"میں نے آپ کی کتاب پڑھی اور بالاستیعاب پڑھی، مجھے کتب ملتی رہتی ہیں، لیکن مجھے کسی ہدیے سے اتنی مسرت نہیں ہوئی، جتنی آپ کے اس ہدیے سے ہوئی، واللہ میرے پاس الفاظ نہیں کہ اپنی قلبی مسرت کا اظہار کر سکوں۔ اس میں آپ نے جتنی جان کھپائی ہے، دکھائی دے رہی ہے، اتنی محنت ہو ہی نہیں سکتی، جب تک دل جذبۂ مودت سے لبریز نہ ہو۔ اس کتاب کا اسلوب انوکھا، زبان سادہ اور شگفتہ اور مباحث نہایت عمدہ ہیں۔ اس میں حکمت اور استدلال کے ساتھ دعوت اور نصیحت ہے۔ اپنے تعلیمی اور تدریسی دور میں نصاب میں شامل نہ ہونے کی وجہ سے، مجھے مناقب اہلِ بیت علیہم السلام پڑھنے کا موقع نہیں ملا، لیکن دعوت و تبلیغ کے نبوی کام سے جڑنے کے بعد جب مطالعہ کیا تو یہ حقیقت کھلی کہ اہلِ بیت علیہم السلام صرف ہماری عقیدت نہیں، ہمارا عقیدہ ہیں، جس دل میں ان کی مودت نہیں، اس میں ایمان نہیں، اس معرفت کے بعد میں نے غفلت میں بیتے ہوئے ایام کے لئے استغفار کیا اور ذکرِ اہلِ بیت علیہم السلام کا اہتمام کیا۔ زیرِ نظر کتاب کے مطالعہ سے مقامِ اہلِ بیت علیہم السلام کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور قلوب میں ان کی مودت پیدا ہوتی ہے۔ غور کیجئے تو اس سلسلے میں تمام فتنوں کا تریاق یہی معرفت اور مودت ہے، اس لئے میری رائے میں ہر شخص کو اس کتاب کا مطالعہ کرتے رہنا چاہیے، خود مجھے اس کتاب کے مضامین سے بہت تقویت ملی۔"

کھولی ہیں ذوقِ دید نے آنکھیں تیری اگر
ہر رہ گزر میں نقشِ کفِ پائے یار دیکھ

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بانگِ درا)

غور کرنے کا مقام ہے اور بہت سوچنے کی بات ہے ان لوگوں کے لئے جو ذکرِ حسین علیہ السلام اور کربلا سے گریزاں ہو کر چپ رہتے ہیں۔ امامِ عالی مقام علیہ السلام کو خراج

عقیدت پیش کرتے ہیں اور نہ یزیدیت کی مذمت کرتے ہیں۔

سلام ہو اس شہید کربلا پر کہ جس کا ذکر خود خدا نے کیا رسول ﷺ خدا نے کیا

کروڑوں سلام آپ پر اے حسین رضی اللہ عنہ

وہ سلام کر تو حسین رضی اللہ عنہ پر کہ بہشت جس کا صلہ ملے
یہ طلب تو اپنی طرف سے ہے پہ وہاں سے دیکھئے کیا ملے

جو درِ حسین رضی اللہ عنہ کا ہو سکیں اسے ہو رسائی علی رضی اللہ عنہ تلک
جو علی رضی اللہ عنہ ملے تو نبی ﷺ ملے جو نبی ﷺ ملے تو خدا ملے

(نامعلوم)

کربلا کا حسی و معنوی شعور اور ادراک:

کربلا کے حسی اور معنوی شعور اور ادراک سے ہمیں توحید بھی سمجھ آئے گی اور سنتِ مصطفےٰ ﷺ بھی، قرآن بھی اور قاریٔ قرآن بھی، قرآن کے مطالب و معانی بھی اور اس کی تفسیر بھی، حدیث اور حدیث کا مفہوم اور مخاطب بھی، تاریخ بھی، حقیقت بھی، دینِ رسولِ عربی ﷺ بھی، دنیا اور آخرت کی حقیقت بھی، امر بالمعروف و نہی عن المنکر بھی، زندگی اور زندگی کا مقصد بھی، ہدایت اور درسِ بندگی بھی، بندگی اور عجز و نیاز بھی، عزیمت بھی، صبر و رضا بھی، اذان بھی، نماز بھی، سجدہ بھی، سجدے کا لطف بھی، فقر بھی، فقر کی اصل بھی، سخاوت بھی .... کربلا دینِ محمدی ﷺ کی تعلیمات کا عملی نمونہ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیں اس اسوہ پر چلائے جس کو بچانے کی خاطر امامِ عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ نے اتنی عظیم قربانی دے کر کربلا کے ریگزاروں کو عظمت عطا کی۔

لوگ کربلا کو سمجھ سکے اور نہ ہی سمجھنے کی کوشش کی۔ جن کی سمجھ میں کربلا آ گئی ان

کی زندگی سنور گئی اور جو کربلا کو سمجھنے سے قاصر رہے وہ نامراد رہے۔ کربلا کا کیا رشتہ اور تعلق جنابِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے؟ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کا مقام اعلیٰ و ارفع ہے۔ یہ رفعتیں انھیں کس وجہ سے حاصل ہیں؟ نسبتِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم اور شرف صحبتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے۔ امامِ عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کا کیا رشتہ ہے جنابِ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے؟ اور کیا قرب حاصل ہے انھیں بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں؟ کربلا کا کیا تعلق ہے تعلیماتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ؟ کربلا ہماری عملی زندگی پر کیسے اثر انداز ہوتی ہے؟ یہ سب سمجھنے کے لئے کربلا کو جاننا، کربلا کا فہم اور ادراک حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ کربلا ایک شعور اور آگہی کا درس دیتی ہے۔ کربلا کا پیغام آفاقی ہے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کسی فرقے تک محدود نہیں بلکہ حسین رضی اللہ عنہ سب کے ہیں۔ حسین رضی اللہ عنہ تیرے حسین رضی اللہ عنہ میرے۔ حسینیت محدود نہیں بلکہ ایک مثبت اور قوی انقلاب کا نام ہے۔ کربلا دین کی بقا، انسانیت کی عظمت اور حق و انصاف کی فتح کا نام ہے۔ کربلا حق و باطل کا معرکہ ہے۔ جس نے کربلا کو دو شہزادوں کی جنگ کہا یا سمجھا، وہ انسانیت اور اخلاقی اقدار سے بہت دور ذلت اور پستی میں جا گرا۔ کہاں جوانانِ جنت کا سردار اور کہاں شام کے تخت پر بیٹھا ایک شرابی اور بدمعاش۔ کہاں ریحانۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم (رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا کا پھول) اور کہاں ملوکیتِ دنیا میں ڈوبا ہوا انسانیت کا دشمن اور عار۔ سرفروشی کی جتنی بھی تحاریک آج زندہ ہیں ان کا تحرک کربلا سے ہے۔ آج حسین رضی اللہ عنہ ضمیر کی آواز بن کر ہر باضمیر نفس کے رہبر ہیں۔ حسینیت نام ہے احترامِ انسانیت کا جبکہ یزیدیت ظلم و جور کا۔ یزیدیت انسانیت کے ماتھے پر بدنما داغ ہے۔

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس تقابل کو رموزِ بیخودی میں یوں بیان کیا:

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید
ایں دو قوت از حیات آید پدید

ترجمہ و تشریح: موسیٰ علیہ السلام اور فرعون حسین رضی اللہ عنہ اور یزید یہ دو قوتیں ہیں، جب سے زندگی ہے ایک دوسرے کے مقابل آئیں۔ موسیٰ علیہ السلام اور حسین رضی اللہ عنہ حق کے نمائندے اور فرعون اور یزید باطل کے پیروکار ہیں۔

اسی طرح علامہ صاحب نے بانگِ درا میں فرمایا:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی ﷺ سے شرارِ بولہبی

یعنی دنیا میں شروع سے ہی حق و باطل قوتیں باہم متحارب رہی ہیں اور اگر دنیا میں قوتِ شبیری نہ ہوتی تو حق کب کا مٹ چکا ہوتا۔ اسلئے حق پرستوں پر قرض ہے ذکرِ کربلا و حسین رضی اللہ عنہ۔ امامِ عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کا مقام ایک ابدی حقیقت ہے جس کو کوئی حق پرست جھٹلا نہیں سکتا۔ اس حوالے سے علامہ صاحب بالِ جبریل میں فرماتے ہیں:

حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیری
بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی

کوئی بہت بدبخت اور شقی ہوگا جو یزید سے ہمدردی رکھتا ہوگا، اور امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کو چھوڑ کر ان کے مقابلے میں یزید کی حمایت کرتا ہوگا۔ ایسے لوگوں کو علمائے حق نے تاریخ میں ناصبیوں کے نام سے رقم کیا ہے۔ جن میں دیگر چند لوگوں کے ساتھ ابوبکر ابن العربی (مصنف ''العواصم من القواصم'') بھی شامل ہے۔ جس نے یہ کہا تھا کہ حسین رضی اللہ عنہ اپنے نانا کی شریعت کی تلوار سے قتل ہوئے، یا اس کی طرح کے عصرِ حاضر کے کچھ علماء نما یزیدی، جو یزید کی حمایت میں دُور کی کوڑی لاتے رہتے ہیں۔

علمِ حق را در قفا انداختی
بہرِ نانی نقدِ دیں در باختی

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، اسرارِ خودی)

ترجمہ: تو نے وہ علم پسِ پشت ڈال دیا جو حق تک پہنچانے والا تھا، محض روٹی کی خاطر تو دین کی پونجی ہار بیٹھا۔

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیم بوذر رضی اللہ عنہ و دلقِ اویس رضی اللہ عنہ و چادرِ زہرا رضی اللہ عنہا

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بالِ جبریل)

ملا کی نظر نورِ فراست سے ہے خالی
بے سوز ہے میخانۂ صوفی کی مے ناب

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ارمغانِ حجاز)

روشن تو وہ ہوتی ہے، جہاں بیں نہیں ہوتی
جس آنکھ کے پردوں میں نہیں ہے نگہِ پاک

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ارمغانِ حجاز)

جے کر دین علم وچ ہوندا، تاں سر نیزے کیوں چڑھدے ھُو
اٹھارہ ہزار جو عالم آہا، اگے حسین دے مردے ھُو

جے کجھ ملاحظہ سرور دا کردے، تاں تمبو خیمے کیوں سڑدے ھُو
جے کر مندے بیعت رسولی، پانی کیوں بند کر دے ھُو

پر صادق دین تنہا دا باھُو، جو سر قربانی کردے ھُو
عاشق سوئی حقیقی جیہڑا، قتل معشوق دا منّے ھُو

عشق نہ چھوڑے منہ نہ موڑے، تورے سے تلواراں کھنّے ھُو
جت ول ویکھے راز ماہی دے، لگے اسے بنّے ھُو

سچا عشق حسین ابنِ علی دا باھو، سر دتا راز نہ بھنے ھو

(حضرت سلطان باھوؒ)

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری
اے کشتۂ سلطانی و مُلائی و پیری

(علامہ محمد اقبالؒ، ارمغانِ حجاز)

پیرِ حرم کو دیکھا ہے میں نے
کردار بے سوز، گفتار واہی

(علامہ محمد اقبالؒ، بالِ جبریل)

لیکن سوائے ان گِنے چُنے ناصبیوں کے یا ان سادہ لوح افراد کے جو ناصبیوں کے پروپیگنڈوں سے متاثر ہو کر ذکرِ حسین علیہ السلام سے دُور رہتے ہیں، امام عالی مقام امام حسین علیہ السلام امتِ مسلمہ کے ہر طبقہ کی جان ہیں۔ ہر مکتبِ فکر کے علمائے حق نے کربلا اور ذکرِ حسین علیہ السلام پر نہ صرف کتب تحریر کی ہیں بلکہ اپنے مواعظِ حسنہ میں بھی اس کو بیان کیا ہے۔ صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ دیگر مذاہب جیسے عیسائی، ہندو، سکھ وغیرھم کے اہلِ علم خواتین و حضرات نے امامِ عالی مقام علیہ السلام کی اس عظیم قربانی کا اعتراف کیا اور انھیں خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے انسانیت کے لئے قابلِ تقلید قرار دیا۔

جوش ملیح آبادی نے کیا خوب کہا ہے:

کیا صرف مسلماں کے پیارے ہیں حسین علیہ السلام
چرخِ نوعِ بشر کے تارے ہیں حسین علیہ السلام
انسان کو بیدار تو ہو لینے دو
ہر قوم پکارے گی ہمارے ہیں حسین علیہ السلام

آج محرم الحرام میں کچھ لوگ شادیوں کی ترغیب دیتے نظر آتے ہیں اور محرم میں شادیاں نہ کرنے کو بدعت گردانتے ہیں۔ اس وقت وہ شاید یہ بھول جاتے ہیں کہ امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ سے محبت اور ذکرِ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ وہ سنتِ مبارکہ ہے کہ جس کا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص اہتمام فرمایا اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو اس کی ترغیب دی، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے ساتھ محبت کو حرزِ جان بنایا۔ ذکرِ امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ سے چشم پوشی کرتے ہوئے کچھ لوگ مختلف قسم کی کھوکھلی تاویلات کا سہارا لیتے نظر آتے ہیں۔

کبھی کہا جاتا ہے کہ ذکرِ حسین رضی اللہ عنہ اسلئے نہیں کرنا چاہیے کہ اس سے شیعت کو تقویت حاصل ہو گی۔ اگر اس اصول کو مان لیا جائے تو پھر معاذ اللہ کل کوئی کور مغز یوں بھی کہہ سکتا ہے کہ حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ کا ذکر نہیں کرنا چاہیے کہ اس سے عیسائیوں کو تقویت حاصل ہو جائے گی۔ موسیٰ علیہ السلام اور دیگر انبیائے بنی اسرائیل کے ذکر سے کہیں یہودیوں کو تقویت نہ حاصل ہو جائے۔ محرم الحرام کا پورا مہینہ گزر جاتا ہے اور ہمیں حسین رضی اللہ عنہ کا ذکر سننے کو نہیں ملتا، ہماری مساجد کے خطیب کس انجانے خوف کی وجہ سے خاموش رہتے ہیں؟ ۔۔۔۔۔۔ انہی منابر سے ہر موضوع پر بات کی جاتی ہے مگر نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ریحانۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم قربانی پر بات کرنے سے پہلو تہی کی وجہ سمجھ سے بالا ہے۔

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری
کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری

(علامہ محمد اقبالؒ، ارمغانِ حجاز)

علامہ محمد اقبالؒ اہلِ بیت علیہم السلام کے ساتھ اپنے مضبوط تعلق اور وابستگی کو اسرارِ خودی میں کچھ اس طرح سے بیان فرماتے ہیں:

از ولائے دُودِ مانش زندہ ام
در جہاں مثلِ گوہر تابندہ ام

ترجمہ: میں (اقبالؒ) آپ (حضرت علیؓ) کے خاندان مبارک سے محبت کی وجہ سے زندہ ہوں اور اسی (تعلق کی) وجہ سے دنیا میں موتی کی طرح چمک رہا ہوں۔اسی طرح علامہ صاحب نے پیامِ مشرق میں فرمایا:

تیر و سنان و خنجر و شمشیرم آرزو است
بامن میا کہ مسلکِ شبیرم آرزو است

ترجمہ وتشریح: تیر اور برچھی، خنجر اور تلوار میری آرزو ہے۔میرے ساتھ مت آ کہ میں حسینؓ کی راہ پر چلنا چاہتا ہوں۔یعنی میں جہدِ مسلسل اور عزمِ پیہم کے ساتھ عزیمت کی راہ پر ہوں جس میں کٹ مرنے کا کوئی خوف نہیں اور تم قیل وقال میں پڑے ہو اور حبِ دنیا میں گرفتار آسائشوں کی طلب میں لگے ہو۔ جبکہ یہ عشق کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے۔موت سے ڈرنے والے کیا جانیں، کہ زندگی کیا ہوتی ہے؟ جس کو خدا کا خوف ہوتا ہے وہ موت سے نہیں ڈرتا۔موت اس کے لئے شہد سے زیادہ شیریں ہوتی ہے۔

آں دگر مرگ! انتہائے راہِ شوق
آخریں تکبیر در جنگاہِ شوق

گرچہ ہر مرگ است بر مومن شکر
مرگِ پورِ مرتضےٰ چیزے دگر

(علامہ محمد اقبالؒ، جاوید نامہ)

ترجمہ: وہ دوسری موت کیا ہے، وہ راہِ شوق کی انتہا ہے اور ہنگامہِ شوق میں آخری تکبیر ہے (جہاد میں جان کی قربانی دیتے ہوئے اللہ اکبر کی صدا بلند کرنا عشق و محبت کی انتہا ہے)۔ اگرچہ مومن مرد کے لئے ہر موت شکر کی مانند میٹھی ہوتی ہے۔ لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بیٹے (حسین رضی اللہ عنہ) کے لئے موت کچھ اور ہی شے ہے۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بانگِ درا)

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بانگِ درا)

کچھ لوگ ذکرِ حسین رضی اللہ عنہ سے اجتناب کرتے ہوئے یوں کہہ دیتے ہیں کہ واقعۂ کربلا ۱۴۰۰ سال پہلے وقوع پذیر ہوا تھا، اب اس کا تذکرہ بے فائدہ ہے۔ ایسے لوگوں نے قرآن پاک اور اس کے اصول سے صرفِ نظر کیا ہے۔ اگر غور کرتے تو پتا چلتا کہ جب پروردگارِ عالم نے اپنا کلام قلبِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل فرمایا تو اس میں اس وقت سے ۲۶۰۰ سال پہلے کے اپنے خلیل جنابِ ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیا۔ سورۃ ابراہیم نازل فرمائی، نارِ نمرود کا ذکر کیا اور پھر اس نار کو گلزار بنا دینے کا ذکر کیا۔ اس سے بھی کئی ہزار سال پہلے کے اپنے نبی نوح علیہ السلام کا ذکر کیا، ان کے کشتی بنانے کا ذکر کیا، طوفانِ نوح کا ذکر کیا، کشتیِ نوح علیہ السلام کی نجات کا ذکر کیا، آدم علیہ السلام کا تذکرہ کیا، اپنے دیگر بندوں اور پیغمبروں کا ذکر کیا، اصحابِ کہف کا ذکر ہوا، سورۃ کہف نازل ہوئی، اصحابِ کہف کے

غار میں رہنے کا تذکرہ ہوا، ان کے وفادار کتے (قطمیر) کا ذکر کیا، قومِ سبا کا ذکر کیا، ملکۂ سبا کا تذکرہ کیا، سورۃ سبا نازل کی، جناب سلیمان علیہ السلام، جناب داؤد علیہ السلام، جناب موسیٰ علیہ السلام، جناب عیسیٰ علیہ السلام اور اپنے دیگر پیاروں کا ذکر کیا۔ یہ سب ذکر کرنے کا مقصد کیا تھا؟ محض یہ کہ لوگ ہر عہد کے بندگانِ خدا سے آشنا ہوں۔ ان کے دشمنوں کو جانیں۔ ان واقعات سے سبق سیکھیں، ان کے شعار اور اسوہ کو اپنائیں۔ اسی طرح امامِ عالی مقام امام حسین علیہ السلام کا ذکر اور کربلا کی معرفت، کربلا کا شعور اور کربلا کا ادراک ہماری روحانی تربیت کا سامان مہیا کرتا ہے۔ انسانیت کی ہدایت کا انمول ذریعہ ہے۔ امامِ عالی مقام امام حسین علیہ السلام اور کربلا کا ذکر صبحِ قیامت تک جاری رہے گا۔ اس عظیم قربانی کا ذکر ہر دور میں اہلِ حق نے جاری رکھا اور یہ ذکر انشاء اللہ جاری رہے گا۔ حسین علیہ السلام کے ذکر سے صرف یزیدیت کو خطرہ ہو سکتا ہے، باقی ہر طبقے کے لئے یہ ذکر اطمینانِ قلب اور تسکینِ روح کا باعث ہے۔

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، زندگی اور امام حسین علیہ السلام کو چولی دامن کا ساتھ گردانتے ہیں اور ارمغانِ حجاز (فارسی) میں فرماتے ہیں:

قلندر میل تقریرے ندارد
بجز ایں نکتہ اکسیرے ندارد
ازاں کشت خرابے حاصل نیست
کہ آب از خون شبیرے ندارد

ترجمہ: یہ قلندر (اقبال رحمۃ اللہ علیہ) تقریر یعنی لمبی بات کا آرزومند نہیں اور اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی اکسیر نہیں کہ اس کھیتی سے (ہرگز) کوئی پیداوار نہیں ہو گی جسے شبیر (حسین علیہ السلام) کے خون سے پانی نہیں ملتا یعنی شبیر کے خون سے سیراب نہیں کیا جاتا۔

گفت حکمت را خدا خیرِ کثیر
ہر کجا این خیر را بینی بگیر

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، جاوید نامہ)

ترجمہ: خدا نے حکمت کو خیرِ کثیر کہا ہے، یہ نعمت جہاں کہیں بھی تجھے نظر آئے، اپنا لے۔ (رسولِ اکرم ﷺ نے حکمت کو مومن کی گمشدہ میراث کہا ہے)۔

پھر کچھ لوگ یوں گویا ہوتے ہیں کہ اللہ کا دین حضور ﷺ کی زندگی میں مکمل ہوگیا تھا، قرآن کتابِ ہدایت کی صورت میں نازل ہو چکا تھا۔ اسلئے اب نماز روزہ کرنا چاہیے اور کربلا اور حسین علیہ السلام کا ذکر کرنا ضروری نہیں۔ ایسے لوگ صرف ایک حدیث تو بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ میں تمھارے درمیان دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ایک اللہ کی کتاب قرآن اور دوسری میری سنت۔ اور دوسری حدیث مبارکہ بھول جاتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ میں تمھارے درمیان دو گرانقدر چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں اور یہ دونوں ایک دوسرے سے بڑھ کر اہمیت کی حامل ہیں۔

ایک اللہ کی کتاب قرآن اور دوسری میری عترت اہلِ بیت ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہیں ہوں گے یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر میرے پاس پہنچ جائیں۔

قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغامِ محمد ﷺ کا تمھیں پاس نہیں

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بانگِ درا)

مندرجہ بالا دونوں احادیث کے تناظر میں اب ذکرِ حسین علیہ السلام اور کربلا سے

قطعاً صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا۔ امامِ عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہیں اور سنتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قولی و فعلی حدیث کے مخاطب بھی۔ ذکرِ حسین رضی اللہ عنہ اور محبتِ حسین رضی اللہ عنہ سنتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہے اور شعارِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم بھی۔ مودتِ حسین رضی اللہ عنہ حکمِ خدا بھی ہے (مودۃ فی القربیٰ) اور فرمانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی۔

بہت معروف حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے:

اَلْحُسَیْنُ مِنِّی وَاَنَا مِنَ الْحُسَیْن

حسین رضی اللہ عنہ مجھ سے ہے اور میں حسین رضی اللہ عنہ سے ہوں

اب یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ حسین رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہیں۔ امام حسین رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیٹے ہیں، ان کی بیٹی کے بیٹے ہیں، حسین رضی اللہ عنہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہیں۔ حسین رضی اللہ عنہ مجھ سے ہیں تو سمجھ میں آ گیا، لیکن کربلا کو سمجھے بغیر قولِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، میں حسین رضی اللہ عنہ سے ہوں، کیسے سمجھ میں آئے گا۔ اس کو سمجھنے کے لئے کربلا کو سمجھنا ناگزیر ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حسین رضی اللہ عنہ سے کیسے ہو گئے، جبکہ وہ تو حسین رضی اللہ عنہ کے نانا ہیں؟ نواسہ تو نانا سے ہو سکتا ہے، نانا نواسے سے کیسے ہو گا؟ اس گتھی کو سلجھانے کے لئے کربلا جانا پڑے گا۔ کربلا کا ادراک حاصل کئے بغیر یہ نکتہ سمجھ نہیں آ سکتا۔

اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد طاہر القادری صاحب نے کیا خوب فرمایا ہے کہ: اسلام اپنی ابتدا سے کربلا تک محمدی ہے اور کربلا سے قیامت تک حسینی ہے۔ اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ امامِ عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ نے کربلا میں کوئی نیا دین متعارف کرایا ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب حسین رضی اللہ عنہ کے نانا خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دینِ اسلام اور شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خطرہ لاحق ہوا۔ وحیِ الٰہی کا انکار کیا گیا۔ رسالت کا انکار کیا گیا۔ دین کے احکام کو پسِ پشت ڈال دیا گیا، حرام کو حلال

کیا جانے لگا۔ فسق و فجور کا ارتکاب سرِ عام ہونے لگا، تو نبی ﷺ کے نواسے نے اپنے اور اپنے رفقاء کے خون کا نذرانہ پیش کر کے دین کی بقا کا سامان مہیا کیا۔ دین کے اوپر جو کڑا وقت آیا تو نبی ﷺ کا نواسہ حسین علیہ السلام میدان عمل میں نکلا اور دین کے گلشن کی آبیاری اپنے پاک لہو سے کی۔ حسین علیہ السلام دین پناہ بن گئے اور قیامت تک کے لئے دینِ اسلام کی پہچان بن گئے اور قولِ پیغمبرِ اکرم ﷺ: میں حسین علیہ السلام سے ہوں، کی عملی تفسیر بن گئے۔

حکیم الامت حضرت علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے رموزِ بیخودی میں اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

چوں خلافت رشتہ از قرآن گسیخت
حریت را زہر اندر کام ریخت
خاست آں سر جلوہ خیر الامم
چوں سحاب قبلہ باراں در قدم

بر زمینِ کربلا بارید و رفت
لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت

تا قیامت قطع استبداد کرد
موجِ خونِ او چمن ایجاد کرد

بہر حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لا الہ گردیدہ است

ترجمہ وتشریح: از ڈاکٹر حمید اللہ شاہ صاحب ہاشمی: جب خلافت نے قرآنِ مجید سے تعلق توڑ لیا، حریت (آزادی) کے حلق میں زہر ڈال دیا گیا۔ یہ حالت دیکھ کر سب سے بہتر امت کا وہ نمایاں ترین جلوہ یوں اٹھا جیسے قبلے کی جانب سے گھنگھور گھٹا اٹھتی ہے۔ اور اٹھتے ہی جل تھل ایک کر دیتی ہے۔ یہ گھنگھور گھٹا کربلا کی زمین پر برسی اور چھٹ گئی۔ ویرانوں کو لالہ زار بنا دیا اور چل دی۔ قیامت تک کے لئے مطلق العنانی اور ظلم و جور کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔ امام حسین رضی اللہ عنہ ہی کی موج خون نے حریت کا گلزار کھلا دیا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ حق تعالیٰ کے لئے خاک وخون میں تڑپے، اور کلمۂ توحید کی روشن بنیاد ثابت ہوئے۔

غرض میں کیا کہوں تجھ سے کہ وہ صحرا نشین کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا
اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں
مگر تیرے تخیل سے فزوں تر ہے وہ نظارا

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بانگِ درا)

یہی تو میرا درد ہے کہ لوگ کربلا اور امامِ عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کا ذکر کرنے سے کیوں گھبراتے ہیں۔ علامہ زکریا کاندھلوی مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل اعمال کیوں تحریر کی؟ اس کتاب میں حکایاتِ صحابہ رضی اللہ عنہم و حکایاتِ صحابیات رضی اللہ عنہن کا تذکرہ کیوں کیا؟ کیوں ہم روزانہ ان حکایات کو پڑھتے، سنتے اور سناتے ہیں؟ یقیناً ان سارے سوالات کا جواب یہی ہے کہ: اس وجہ سے تاکہ لوگ اپنے اسلاف کی اسلام کے لئے قربانیوں کو جان سکیں اور وہ سارے واقعات روشنی بن کر اسوہ کی شکل میں اپنی عملی زندگی میں اپنائے جا سکیں۔

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا، زورِ حیدر، فقرِ بوذر، صدقِ سلمانی

(علامہ محمد اقبالؒ، بانگِ درا)

گرمیِ ہنگامہ بدر و حنین
حیدر و صدیق و فاروق و حسین

(علامہ محمد اقبالؒ، پس چہ باید کرد اے اقوامِ شرق)

ترجمہ: بدر اور حنین کا ہنگامہ ہو یا حضرت حیدر کرار رضی اللہ عنہ ہوں، یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوں یا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہوں یا حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ (سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی تربیت یافتہ ہیں)

اسی فکر کو علامہ صاحب نے رموزِ بیخودی میں یوں بیان کیا:

بو عبیداں آ سید فوجِ حجاز
در وغا عزمش ز لشکر بے نیاز

گفت اے یاراں مسلمانیم ما
تارِ چنگیم و یک آہنگیم ما

نعرہ حیدر رضی اللہ عنہ نوائے بوذر است
گرچہ از حلقِ بلال و قنبر است

ہر یکے از ما امینِ ملت است
صلح و کینش صلح و کینِ ملت است

ترجمہ و تشریح: از ڈاکٹر حمید اللہ شاہ صاحب ہاشمی: حجازی فوج کے سالار حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ تھے۔ میدانِ جنگ میں ان کا عزم اتنا پختہ، پائیدار اور بے نیاز تھا کہ انھیں لشکر کی بھی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ انھوں نے فرمایا: دوستو! ہم مسلمان، ہم ایک ساز کے تار ہیں اور ہم میں سے ایک ہی نغمہ پیدا ہوتا ہے۔ وہ حضرت علی حیدر رضی اللہ عنہ کا نعرہ اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ہی کی نوا ہے۔ اگر چہ وہ (نعرہ یا نوا) بلال رضی اللہ عنہ اور قنبر رضی اللہ عنہ ہی کے حلق سے کیوں نہ بلند ہوا ہو۔ کوئی نعرہ یا نوا بلال رضی اللہ عنہ اور قنبر رضی اللہ عنہ کے حلق سے بھی پیدا ہو تو ہم اسے علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ کا نعرہ اور ابوذر رضی اللہ عنہ کی نوا سمجھیں گے۔ ہم میں سے ہر شخص ملت کا امانت دار ہے۔ ہر شخص کی صلح اور لڑائی، ملت کی صلح اور لڑائی قرار پائی ہے۔

اسی طرح علامہ صاحب نے بالِ جبریل میں فرمایا:

دل بیدار فاروقی، دلِ بیدار کراری
مسِ آدم کے حق میں کیمیا ہے دل کی بیداری

اور کبھی پیامِ مشرق میں یوں فرمایا:

سوز صدیق و علی از حق طلب
ذرۂ عشقِ نبی از حق طلب

زانکہ ملت را حیات از عشق اوست
برگ و ساز کائنات از عشق اوست

ترجمہ: حق تعالیٰ سے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سوز طلب کر، اللہ سے عشقِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ذرہ مانگ لے۔

ملتِ اسلامیہ کی بقا ان (حضورﷺ) کے عشق سے ہے۔ یہی (حضور ﷺ کی محبت اور عشق) ہی تو کائنات کا سارا ساز و سامان ہے۔

اور بالِ جبریل میں علامہ صاحب اس عشق کو اس طرح سے بیان کرتے ہیں:

کبھی تنہائی کوہ و دمن عشق
کبھی سوز و سرور و انجمن عشق

کبھی سرمایۂ محراب و منبر
کبھی مولا علی خیبر شکن عشق

اسی طرح بالِ جبریل میں علامہ صاحب عقل اور عشق کا تقابل یوں کرتے ہیں:

تازہ مرے ضمیر میں معرکۂ کہن ہوا
عشق تمام مصطفیٰ، عقل تمام بولہب

یقیناً صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اور اہلِ بیتِ رسالت مآب ﷺ کی زندگیوں میں ہمارے لئے بہترین نمونہ ہے۔ اور ان سے محبت ہمارے ایمان کا حصہ ہے تو پھر ذکرِ کربلا اور امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ سے کیوں چشم پوشی کی جائے؟ کیا قومیں اپنے ہیروز کو پڑھ کر فکری اور شعوری تقویت حاصل نہیں کرتیں؟ آج ہمیں مسلکی وابستگیوں سے بالاتر ہو کر، تنگ نظری اور مسلکی منافرتوں سے نکل کر کربلا، کربلا کے پیغام اور کربلا کی افادیت کو سمجھنا چاہیے۔ اس مقصد کو جاننا ناگزیر ہے جس کے لئے نواسۂ رسول ﷺ نے لازوال قربانی پیش کی۔ پروردگار ذوالجلال ہمیں محبت کا وہ جوہر عطا فرمائے کہ جس کی روشنی میں ہم اس بے نظیر اسوۂ حیات کو اپنی زندگیوں میں ڈھال کر معاشرے میں امن کو

فروغ دے سکیں۔ ہم بجائے کربلا کے ذکر سے گریزاں ہونے کے کربلا کا فہم حاصل کر سکیں اور کربلا کی معرفت اور شعور حاصل کرسکیں۔

دلوں کو مرکزِ مہر و وفا کر
حریمِ کبریا سے آشنا کر

جسے نانِ جویں بخشی ہے تو نے
اسے بازوئے حیدر بھی عطا کر

(علامہ محمد اقبالؒ، بالِ جبریل)

کربلا اور عصرِ حاضر:

مسلماں فقر و سلطانی بہم کرد
ضمیرش باقی و فانی بہم کرد

و لیکن الاماں از عصرِ حاضر
کہ سلطانی بہ شیطانی بہم کرد

(علامہ محمد اقبالؒ، ارمغانِ حجاز)

ترجمہ: مسلمان نے فقر اور سلطانی کو بہم ملا دیا۔ اس کے ضمیر نے باقی اور فانی کو جدا نہ کیا۔ لیکن الامان و الحفیظ کہ عصرِ حاضر میں تو سلطانی اور شیطانی کو باہم ملا دیا گیا۔

پشاور میں ۱۶ دسمبر ۲۰۱۴ء کو آرمی پبلک سکول کا اندوہناک واقعہ ہوا۔ معصوم بچوں کا ناحق قتلِ عام کیا گیا۔ ہماری روحیں زخمی ہوئیں۔ ہمارے سینوں میں یہ کرب

ہمیشہ رہے گا۔ اس واقعے نے پوری قوم کو ہلا کر رکھ دیا اور یکجا کر دیا۔ یہ درد ہم کبھی بھلا نہیں پائیں گے۔ انسانیت اس واقعے سے شرمسار ہو گئی، اُس حرکت کی وجہ سے جو انسان نما درندوں نے کی۔ آج اس واقعے کو گزرے ایک سال ہو گیا۔ جوں جوں دسمبر قریب آ رہا ہے، اس درد کی شدت میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس واقعے کی مظلومیت اور ان شہداء کی یاد میں شمعیں روشن ہوں گی۔ سول سوسائٹی، صحافی، ادیب اور شاعر اپنے اپنے انداز میں اس واقعے کے خدوخال کو بیان کریں گے۔ ٹاک شوز اور تقریبات منعقد ہوں گی۔ دہشت گردی کی مذمت ہو گی۔ پوری قوم سوگوار ہو گی۔ یقیناً پشاور کا یہ واقعہ ہو یا ۲۰۰۵ کا زلزلہ ہو یا دہشت گردی کے دیگر واقعات، ہر آنکھ اشک بار ہوئی، ہر دردمند دل نے اس غم کو محسوس کیا اور ہمیشہ ہماری زندگی میں ان کا کرب، تکلیف، درد اور احساس رہے گا۔

دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ارمغانِ حجاز)

اہلِ دانش عام ہیں، کم یاب ہیں اہلِ نظر
کیا تعجب ہے کہ خالی رہ گیا تیرا ایاغ

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ضربِ کلیم)

حیرت ہوتی ہے ان دوستوں اور احباب پر جو سارا سال ہیومن رائٹس (حقوقِ انسانی)، ویمن رائٹس (خواتین کے حقوق)، اینیمل رائیٹس (جانوروں کے حقوق)، جمہوریت کے حقوق، ارتھ آورز (ساعۃ الارض)، ماحولیاتی دن اور دیگر معاملات پر زور و شور سے بات کرتے ہیں۔ نرم دل بھی رکھتے ہیں، دردمند بھی ہیں اور اہلِ درد میں شمار ہوتے ہیں۔ تقویٰ بھی ان کے ہاں پایا جاتا ہے اور خشیتِ ربِ ذوالجلال کے

خوگر بھی ہیں، مگر محرم الحرام میں چپ سادھ لیتے ہیں۔ اس اہم فریضے کی طرف سے اپنے دل اور دماغ کو بند کر دیتے ہیں۔ یزیدیت کی مذمت کرتے ہیں اور نہ ہی حسین رضی اللہ عنہ سے کسی لگاؤ کا اظہار کرتے ہیں۔

یزیدیت سے جو اظہارِ بیزاری نہیں کرتے
وہ کلمہ گو شریعت سے وفاداری نہیں کرتے

(نامعلوم)

آج دہشت گردی سے نفرت کرنے والوں اور ناموسِ رسالت پر کٹ مرنے والوں کے لئے لمحۂ فکریہ ہے، وہ اگر اس بات پر غور کریں اور سوچیں تو یہ آشکار ہو گا کہ تاریخِ عالم کی سب سے بڑی دہشت گردی اور توہینِ رسالت کربلا میں یزید اور اس کے حامیوں نے کی ہے۔ اسلام پر آج جو کڑا وقت آیا ہے اور مسلمانوں کی جو زبوں حالی ہے اس کے بارے میں علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور جوش ملیح آبادی نے کیا خوب کہا ہے۔

ریگِ عراق منتظر، کشتِ حجاز تشنہ کام
خونِ حسین باز دہ کوفہ و شام خویش را

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، زبورِ عجم)

ترجمہ: عراق کی ریت اس انتظار میں ہے، حجاز (مکہ و مدینہ) کے کھیت پیاسے ہیں۔ پھر سے کوفہ اور شام کو خونِ حسین رضی اللہ عنہ کی ضرورت ہے۔ یعنی آوازِ حق بلند کرنے والے کی ضرورت ہے۔

ہزار خیبر و صد گونہ اژدر است اینجا
نہ ہر کہ نانِ جویں خورد حیدری داند
بچشم اہلِ نظر از سکندر افزون است
گدا گرے کہ مآلِ سکندری داند

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، پیامِ مشرق)

ترجمہ از ڈاکٹر حمید اللہ شاہ صاحب ہاشمی: یہاں ہزاروں خیبر ہیں اور سینکڑوں (طرح طرح کے) اژدھے ہیں۔ یہ نہیں کہ جس نے جو کی روٹی کھالی وہ علیؓ بنتا بھی جان لے (اس کے لئے عشقِ رسول ﷺ بھی ضروری ہے)۔ آنکھ والوں (عقلمندوں) کی نظر میں سکندر سے بڑھ کر ہے وہ گداگر جو سکندری کا انجام جانتا ہے (جو بادشاہت کے انجام سے آگاہ ہے)۔

آتشِ جان گدا جوعِ گدا ست
جوعِ سلطان ملک و ملت را فنا ست

(علامہ محمد اقبالؒ، اسرارِ خودی)

ترجمہ: گدا (فقیر) کی بھوک صرف اس کی جان کھالیتی ہے جبکہ سلطان کی بھوک تو ملک وملت کو کھا جاتی ہے۔

مسلم استی بے نیاز از غیر شو
اہلِ علم را سراپا خیر شو

پیشِ منعم شکوہ گردوں مکن
دست خویش از آستیں بیروں مکن

چوں علی در ساز بانان شعیر
گردن مرحب شکن خیبر بگیر

(علامہ محمد اقبالؒ، رموزِ بیخودی)

ترجمہ: اگر تو مسلمان ہے تو خدا کے سوا ہر شے سے بے نیاز ہو جا اور دنیا کے لئے خیر و برکت کا سرچشمہ بن جا، دولت مند کے پاس جا کر

گردشِ روزگار کے شکوے نہ کر اور اس طرح اپنے لئے سوال کا دروازہ نہ کھول بلکہ ہاتھ آستین سے باہر ہی نہ نکال (کسی سے کچھ نہ مانگ)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرح جو کی روٹی کو اپنا شعار بنا لے۔ مرحب جیسے زور آور سردار کی گردن توڑ اور خیبر جیسے مستحکم مقام پر قبضہ کر لے۔

نہ ستیزہ گاہِ جہاں نئی نہ حریفِ پنجہ فگن نئے
وہی فطرتِ اسداللّٰہی، وہی مرحبی، وہی عنتری

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بانگِ درا)

اے قوم! پھر وہی ہے تباہی کا زمانہ
اسلام ہے پھر تیرِ حوادث کا نشانہ

کیوں چپ ہے اسی شان سے پھر چھیڑ ترانہ
تاریخ میں رہ جائے گا مُردوں کا فسانہ

مٹتے ہوئے اسلام کا پھر نام جلی ہو
لازم ہے کہ ہر فرد حسین ابنِ علی رضی اللہ عنہ ہو

(جوش ملیح آبادی)

بڑھ کر خیبر سے ہے یہ معرکۂ دین و وطن
اس زمانے میں کوئی حیدرِ کرار بھی ہے

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بالِ جبریل)

قافلۂ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
گرچہ ہے تاب دار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بالِ جبریل)

امارت کیا، شکوہ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل
نہ زورِ حیدری تجھ میں، نہ استغنائے سلمانی

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بالِ جبریل)

یہ صبحِ انقلاب کی جو آج کل ہے ضو
یہ جو مچل رہی ہے صبا، پھٹ رہی ہے پو

یہ جو چراغ ظلم کی تھرا رہی ہے لو
درپردہ یہ حسین علیہ السلام کے انفاس کی ہے رو

حق کے چھڑے ہوئے ہیں جو یہ ساز دوستو
یہ بھی اسی جری کی ہے آواز دوستو

پھر حق ہے آفتاب لبِ بام اے حسین علیہ السلام
پھر بزمِ آب و گِل میں ہے کہرام اے حسین علیہ السلام

پھر زندگی ہے سست و سبک گام اے حسین علیہ السلام
پھر حریت ہے موردِ الزام اے حسین علیہ السلام

ذوقِ فساد و ولولۂ شر لیے ہوئے
پھر عصرِ نو کے شمر ہیں خنجر لیے ہوئے

مجروح پھر ہے عدل و مساوات کا شعار
اس بیسویں صدی میں ہے پھر طرفہ انتشار

پھر نائبِ یزید ہیں دنیا کے شہریار
پھر کربلائے نو سے ہے نوعِ بشر دوچار

اے زندگی جلالِ شہِ مشرقین دے
اس تازہ کربلا کو بھی عزمِ حسینؑ دے

(جوش ملیح آبادی)

قتلِ حسینؑ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

(مولانا محمد علی جوہر)

بدہ او را جوانِ پاکبازے
سرورش از شرابِ خانہ سازے
قوی بازوے او مانندِ حیدر
دلِ او از دو گیتی بے نیازے

(علامہ محمد اقبالؒ، ارمغانِ حجازِ فارسی)

ترجمہ: اس (اسلام) کو ایک پاکباز جوان دے، اس کا سرور شراب خانے کے ساز سے ہو یعنی بادۂ اسلام سے سرشار ہو۔ اس کے بازو حضرت علی علیہ السلام کے بازوؤں کی طرح مضبوط ہوں (اور) اس کا دل دونوں عالم سے بے پرواہ ہو۔

آج ہمارے معاشرے کا یہ المیہ ہے کہ ہم فرقہ پرستی کے ناسور میں جکڑے ہوئے ہیں جو کربلا کو سمجھنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ جس نے بھی کربلا کو سمجھنا چاہا اسے دین سمجھ آ گیا۔ انسانی اقدار اور اس کے تقاضے سمجھ آ گئے۔ کربلا کا شعور پاکیزہ سوچ کو جنم دیتا ہے۔ کربلا کی معرفت احترامِ انسانیت سکھاتی ہے۔ کربلا کا ادراک عبادت کی اصل روح سے سرشار کرتا ہے۔

کربلا کو پڑھنے والا معرفتِ حق تعالیٰ پا لیتا ہے۔ آؤ کربلا کو مسلکی اختلافات اور شیعہ سنی منافرت سے بالاتر ہو کر سمجھیں اور یہ جانیں کہ کربلا ایک عظیم انقلاب کا نام ہے جو افراد اور معاشرے کو عزت عطا کرتا ہے۔ کربلا سے سیکھنے والا اپنی اخلاقی نشو سے بلند کردار، باہمت اور حوصلہ مند ہو جاتا ہے۔ آؤ کربلا کے پیغام کو اپنی عملی زندگی میں ڈھالیں اور اسوۂ شبیر اپنائیں۔

کربلا کے ساتھ وہ رشتہ اُستوار کریں جو مچھلی کا پانی سے اور روح کا جسم سے ہے۔ کربلا نہیں تو زندگی نہیں، کربلا روح ہے اور ہماری زندگی جسم، روح نہیں تو جسم مردہ ہے۔ کربلا دین اور دینی تعلیمات کی روح ہے، یہ روح ہے مذہب اور انسانیت کی۔ کربلا کے بغیر دین سمجھ آ سکتا ہے نہ انسانیت سربلند ہو سکتی ہے۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک

حرمِ پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بانگِ درا)

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کربلا اور امام حسین علیہ السلام کے ساتھ اپنے اور امتِ مسلمہ کے تعلق کو یوں بیان فرمایا:

سمجھتا ہے تو راز ہے زندگی
فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بالِ جبریل)

در نوائے زندگی سوز از حسین علیہ السلام
اہلِ حق حریت آموز از حسین علیہ السلام

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، رموزِ بیخودی)

ترجمہ: میری زندگی کے نغموں میں سوز حسین علیہ السلام سے ہے اور اہلِ حق نے ہمیشہ آزادی کا سبق حسین علیہ السلام سے حاصل کیا ہے

درمیاں امت آں کیواں جناب
ہمچو حرفِ قل ھو اللہ در کتاب

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، رموزِ بیخودی)

ترجمہ: حسین علیہ السلام کا مقام امتِ مسلمہ میں بالکل ایسا ہی ہے جیسے قل ھو اللہ یعنی سورہ اخلاص کا مقام قرآنِ پاک میں ہے۔

کربلا کا نُور (روشنی):

آہ! اس راز سے واقف ہے نہ مُلّا نہ فقیہ
وحدت افکار کی بے وحدتِ کردار ہے خام

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ضربِ کلیم)

وہ مردِ مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو
ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستیِ کردار

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ضربِ کلیم)

آؤ کربلا اور ذکرِ حسین علیہ السلام سے گریزاں ہونے کی بجائے اس کا نُور (روشنی) حاصل کریں۔ کربلا کا فہم، کربلا کی معرفت، کربلا کا شعور اور کربلا کا ادراک وہ روشنی عطا کرتا ہے جو انسان کو اس کے حقیقی مقام سے آشنا کرتی ہے۔ یہ وہ روشنی ہے جو انسان میں خودی کا انقلاب برپا کرتی ہے۔ یہ روشنی اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا شاہین بناتی ہے۔ یہ روشنی لے کر جو حسینی میدانِ عمل میں نکلتا ہے، معاشرے میں محبتوں کا پیامبر ہوتا ہے۔ یہ روشنی انسان کو تنگ نظری اور جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر انسانی فکر کو جِلا بخشتی ہے۔ کربلا کا قاری جود وسخا کو اپنا وطیرہ بناتا ہے۔ کربلا کا پیغامِ حریت اسے لا الہ کے رموز سے آشنا کرتا ہے۔ یہ روشنی فرقہ پرستی اور کم ظرفی جیسے اوصافِ رذیلہ سے نجات دلاتی ہے۔ کربلا سے روشنی پانے والا انسان امن و آشتی کا داعی بن جاتا ہے۔ اپنی انا کا گلہ گھونٹ کر دوسرے لوگوں کو خود سے بہتر سمجھتا ہے۔ عجز و انکساری اس کی باندی بن جاتی ہے۔ وہ خود غرضی، لالچ، حرص، طمع، جھوٹ، بددیانتی، مکر و فریب، حُبِ دنیا، حُبِ جاہ و مال و منال جیسے غلیظ احساسات و خواہشات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ وہ صرف اللہ سے ڈرتا ہے، وہ کسی اور طاقت سے مرعوب نہیں ہوتا۔ وہ عزم و استقلال کا پیکر ہو جاتا ہے۔

وفاداری اور وفا شعاری اس کی سرشت میں شامل ہو جاتی ہے۔ جرأت اس کا شعار اور بہادری اس کا وصف ہوتی ہے۔ معاشرے کے لئے اس کا وجود نافع ہوتا ہے۔ اس کی سیاست میں پاکیزگی اور فیصلوں میں نکھار آتا ہے۔ عدل اس کا شیوہ اور دردمندی اس کا طریقہ بن جاتی ہے۔ حوصلہ مندی اس کی عادت اور عفو و درگزر اس کا سلیقہ ہوتا ہے۔ نفسِ مطمئنہ اس پر رشک کرتا ہے۔ خدمت اس کا معمول اور عبادت ہو جاتی ہے۔ قربانی اس کی پہچان اور صلہ رحمی اس کا حُسن بن جاتی ہے۔ سرفروشی اس کے ماتھے کا جھومر اور تقویٰ اس کا افتخار ہو جاتا ہے۔ اس کا دل اور روح پاکیزہ سوچوں کا گہوارہ اور سینہ کشادہ ہو جاتا ہے۔ نطق اس کا حسنِ سخن کا منبع اور وہ ہمہ تن گوش بر آوازِ حق ہو جاتا ہے۔ اس کا دہن شیریں زبان کا مسکن اور چشم بصیرت کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ اخلاقِ حسنہ اس کا چلن اور حسنِ سلوک اس کا رویہ بن جاتا ہے۔ اس کی تنہائیاں پاک اور دامن ہر طرح کی آلودگی سے صاف ہوتا ہے۔ اس کی زندگی بندگی کا مکمل نمونہ ہو جاتی ہے۔ یہ حسینی ہے جو کربلا کا نُور حاصل کر کے دنیا اور آخرت میں سرخرو ہو جاتا ہے۔ حسینی ہر مکتبِ فکر میں موجود ہیں۔ حسینیو تمہیں سلام!

گلستان ز خاک من بر انگیز
نم چشم بخون لالہ آمیز

اگر شایانِ نیم تیغ علی را
نگاہے دہ چو شمشیر علی تیز

(علامہ محمد اقبالؒ، ارمغانِ حجاز فارسی)

ترجمہ: میری مٹی سے (عشق کے سوز سے) گلستان پیدا کر۔ میری آنکھ کی نمی سے لالہ کے خون کی آمیزش کر۔ اگر میں حضرت علیؓ کی

تلوار کے شایانِ شان نہیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تلوار کی طرح تیز نگاہ عطا کر (قوتِ فقر عطا کر)۔

یا رب میرے نام کی مجھے تعبیر مل جائے
میری زیست کو اسوۂ شبیر رضی اللہ عنہ مل جائے

حسنین رضی اللہ عنہما کی غلامی وہ اعزاز ہے کہ جس کے لیے
فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا زہے نصیب اگر تحریر مل جائے

(مؤلف)

میرا نام سید فدا حسین شاہ ہے۔ میرے نام کی تعبیر سے مراد اسمِ بامسمّٰی ہونا ہے۔ زیست کو اسوۂ شبیر ملنے سے مراد کربلا کے نُور کا میری روح میں اترنا ہے۔ حسنین رضی اللہ عنہما کی غلامی میں عزت و توقیر ہے۔ یہ وہ اعزاز ہے جس کے لئے خلیفۂ دوئم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے کہا تھا کہ حسنین رضی اللہ عنہما سے غلامی کی سند لکھوا کر لے آؤ اور وصیت کی تھی کہ اس تحریر کو میرے کفن میں رکھ کر مجھے دفن کرنا۔ اس واقعے کا پسِ منظر کچھ ایسے ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفۂ وقت ہیں اور آپ کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، جناب حسنین رضی اللہ عنہما کے ساتھ کسی مجلس میں بیٹھے تھے۔ امام حسن رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: غلام کے بیٹے غلام۔ جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما دوڑتے ہوئے گئے اور اپنے ابا حضور سے اس بات کی شکایت کی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے سے پوچھا، کیا حسنین رضی اللہ عنہما نے سچ مچ ایسا ہی کہا ہے؟ اگر یہ بات ہے تو جاؤ اور انھیں کہو کہ جو آپ رضی اللہ عنہ نے کہا ہے اس کو تحریر کر دیں۔ وہ گئے اور حسنین رضی اللہ عنہما سے کہا یہ تحریر کر دیں۔ حسنین رضی اللہ عنہما نے جو بات کہی تھی، لکھ دی۔

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''فتوحات

ہکیہ" میں فرماتے ہیں: میرے دوست! آخرت میں اہلِ بیت کی جو قدر و منزلت ہے، اگر وہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ وضاحت سے تمھیں دکھا دے تو تم ان کے غلاموں کے غلام بننے کی آرزو کرتے ہوئے اس پر فخر کرو۔

کربلا کے ادراک سے کیا حاصل ہوتا ہے؟

کربلا درسِ خودی:

میرا طریق امیری نہیں، فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

(علامہ محمد اقبالؒ، بالِ جبریل)

غیرت ہے بڑی چیز جہانِ تگ و دو میں
پہناتی ہے درویش کو تاجِ سرِ دارا

(علامہ محمد اقبالؒ، ارمغانِ حجاز)

زندگی شرحِ اشاراتِ خودی است
لا و الا از مقاماتِ خودی است

(علامہ محمد اقبالؒ، جاوید نامہ)

ترجمہ: زندگی خودی کے اشاروں کی شرح ہے۔ لا اور الا خودی کے مقامات میں سے ہیں۔

چوں حیاتِ عالم از زورِ خودی است
پس بقدرِ استواری زندگی است

(علامہ محمد اقبالؒ، اسرارِ خودی)

ترجمہ: چونکہ کائنات کے وجود کے برقرار رہنے کا انحصار خودی کی قوت پر

ہے، اسلئے خودی جس قدر مضبوط ہو گی، زندگی اس قدر مستحکم ہو گی۔

کربلا کے واقعہ سے یہ سیکھنا بہت ضروری ہے کہ دنیا کی لالچ، حرص اور طمع میں آ کر یزید اور اس کے حامی نبی اکرم ﷺ کے نواسے کی عزت و توقیر کی بجائے ان کے قتل کے درپے ہو گئے۔ شمر ذی الجوشن جب امام حسین ؓ کا سرِ انور کاٹنے کو آیا تو امام حسین ؓ نے پوچھا کیا تو جانتا ہے کہ میں علی و فاطمہ ؓ کا بیٹا ہوں۔ نبی اکرم ﷺ میرے نانا ہیں۔ شمر کہتا ہے ہاں جانتا ہوں۔ امامِ عالی مقام ؓ نے پوچھا پھر کیوں قتل کرتے ہو؟ کیا تمھیں کل روزِ محشر شفاعت کی ضرورت نہیں پڑے گی؟ شمر نے کہا مجھے شفاعت نہیں بلکہ وہ انعام و اکرام چاہیے جو یزید اور ابنِ زیاد کے دربار سے تمھارے قتل کے بدلے میں ملنا ہے۔

ہوشیار! اے صاحب عقل سلیم
در کمینہامی نشیند ایں غنیم

(علامہ محمد اقبالؒ، اسرارِ خودی)

ترجمہ: خبردار اے عقلِ سلیم رکھنے والے! یہ دشمن ہمہ وقت تیری گھات میں لگا ہوا ہے۔

عمر ابن سعد حکومتِ رے کے بدلے، طارق ابن شیث موصل کی حکومت کے لالچ میں، خولی بن یزید، شبث بن ربعی، سنان بن انس، حصین بن نمیر، محمد ابن اشعث اور دیگر سردارانِ کوفہ دنیا کی لالچ میں اندھے ہو کر کتنی جرأت اور بیبا کی سے خاندانِ رسالت مآب ﷺ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے خسارے کا اتنا بڑا سودا کر لیتے ہیں۔ سچ ہے کہ جب انسان حرص، لالچ، طمع، حبِ دنیا، حبِ جاہ و مال و منال میں اندھا ہو جاتا ہے تو دلوں پر مہر لگ جاتی ہے، کان آوازِ حق کو سننا نہیں چاہتے، کھلی آنکھوں سے بھی کچھ

دکھائی نہیں دیتا۔ انسان اپنے مقام سے گر کر درندوں کی صف میں آ جاتا ہے۔ حلال دیکھتا ہے نہ حرام۔ رشتوں کا تقدس رہتا ہے نہ شرم و حیا۔ دولت، مال اور پیسہ دین و ایمان بن جاتا ہے۔ جب انسان مال و دولت اور مفادات کا غلام ہو جاتا ہے تو پھر اس کا ضمیر مردہ ہو جاتا ہے۔

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ضربِ کلیم)

پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِتَّقُوا الشُّحَّ فَاِنَّ الشُّحَّ اَهْلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ حَمَلَهُمْ عَلٰى اَنْ سَفَكُوْا دِمَآءَهُمْ وَاسْتَحَلُّوْا مَحَارِمَهُمْ .

(مسلم شریف)

ترجمہ: حرص و طمع سے بچو، کیوں کہ اسی نے تم سے پہلے لوگوں کو ہلاک کیا۔ اسی نے ان کو خون ریزی پر ابھارا اور اسی نے حرام کو حلال بنایا۔

اسی طرح ترمذی شریف کی ایک حدیث ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

مَا ذِئْبَانِ جَائِعَانِ اُرْسِلَ فِيْ غَنَمٍ بِاَفْسَدَ لَهَا مِنْ حِرْصِ الْمَرْءِ عَلَى الْمَالِ وَالشَّرَفِ لِدِيْنِهٖ.

ترجمہ: دو بھوکے بھیڑیے جو بکریوں کے جھنڈ میں چھوڑ دیے جائیں، وہ ان کو اتنا برباد نہیں کرتے جتنی مال و جاہ کی حرص انسان کے دین و ایمان کو برباد کرتی ہے۔

کیا صوفی و ملا کو خبر میرے جنوں کی
ان کا سرِ دامن بھی ابھی چاک نہیں

(علامہ محمد اقبالؒ، بالِ جبریل)

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غم ناک
نہ زندگی، نہ محبت، نہ معرفت، نہ نگاہ!

(علامہ محمد اقبالؒ، بالِ جبریل)

می شود ہر مو درازی خرقہ پوش
آہ ازیں سوداگرانِ دیں فروش

(علامہ محمد اقبالؒ، اسرارِ خودی)

ترجمہ: ہر لمبے بالوں والا گدڑی پوش (صوفی) بن جاتا ہے۔ ان دین فروش سوداگروں کی حالت قابلِ افسوس ہے۔

پیر ہا پیر از بیاضِ مو شدند
سخرہ بہرِ کودکانِ کو شدند

(علامہ محمد اقبالؒ، اسرارِ خودی)

ترجمہ: بوڑھے محض بالوں کی سفیدی کے سبب بزرگ ٹھہرے، ان کی علمی و عملی حالت یہ ہے کہ گلی کوچوں کے بچے ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔

آج ہمارا حال بھی کچھ مختلف نہیں۔ نام تو ہم امام حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے نانا محمدِ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کا لیتے ہیں مگر اسوۂ شبیر اپنانے کی بجائے یزید کے نقشِ قدم پر چلنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ کتنے لوگ ہیں جو مظلوم کی حمایت میں کھڑے ہوتے ہیں۔ بلکہ اس کے برعکس ہم خود ظلم وجور سے دریغ نہیں کرتے۔ دھوکہ دہی ہماری سرشت میں شامل ہو

چکی ہے۔ جھوٹ اور مکر و فریب ہماری عادتِ ثانیہ ہو گئی۔ ہر طرف لُوٹ مار اور مفاد پرستی کا بازار گرم ہے۔ شراب نوشی عام ہے۔ شرم و حیا ہماری اقدار سے رخصت ہو گیا۔ ذخیرہ اندوزی، حق تلفی، دوسروں کی املاک پر ناجائز قبضہ، حرص، لالچ اور حبِ دنیا ہمارا شعار بن گیا ہے۔ فرقہ واریت نے ہماری جڑیں کاٹ کر رکھ دی ہیں۔ احترامِ انسانی اور اکرامِ مسلم قصۂ پارینہ ہو چکا۔ انسانی جان اور خونِ ناحق پانی سے بھی زیادہ ارزاں ہے۔ نفرتیں اور فرقہ وارانہ منافرت ہمارے رگ و پے میں سرایت کر چکی ہیں۔ مذہبی رہنمائی و رہبری کا فقدان اور اخلاقی گراوٹ ہمارا المیہ بن چکی ہے۔ صوفی و ملا نے دین اور مذہب کو چند کوڑیوں کے عوض بیچ ڈالا۔ مدرسہ و خانقاہ کی حالت دگرگوں ہے۔ ہماری علمی و عملی حالت قابلِ رحم ہے اور پوری دنیا میں ہم بدنام ہو کر رہ گئے ہیں۔ یہ درد کا نالہ ہے اور فریاد ہے۔

آج ہماری حالت زبوں تر ہے، کیونکہ ہم (پیر و جواں) نے اپنی خودی کو فراموش کر دیا اور پیسہ، مال، شہرت اور دولت کے حصول کو اپنا ایمان بنا لیا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کا نام تو لیا مگر کربلا کا ادراک اور شعور نہیں حاصل کیا اور اسوۂ شبیر کو نہیں اپنایا، اسوۂ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھلا بیٹھے، صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے نقوشِ قدم سے دور ہو گئے۔ آج بحیثیتِ مسلمان ہمارے لئے لمحۂ فکریہ ہے۔ ہمیں اپنا کھویا ہوا مقام بحال کرنا ہے۔ آج ہمیں اپنا احتساب کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ آج اتفاق اور اتحاد ہی ہماری طاقت ہو سکتی ہے۔ آج نفرتوں کو مٹا کر اور محبتیں بانٹ کر ہمیں یکجا ہونے کی ضرورت ہے۔

دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بالِ جبریل)

نہ تخت و تاج میں، نے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بالِ جبریل)

خودی سے مردِ خود آگاہ کا جمال و جلال
کہ یہ کتاب ہے، باقی تمام تفسیریں

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ارمغانِ حجاز)

کربلا خودشناسی کا درس دیتی ہے۔ انسان کو اپنا کھویا ہوا مقام پہچاننا چاہیے۔ جب انسان اپنے آپ کو پہچان لیتا ہے اور خودشناسی (خود آگاہی) کے عمل سے گزر جاتا ہے، تو خودی کو اپنا شعار بنا لیتا ہے۔ خودی انسان کو عظمتیں اور رفعتیں عطا کرتی ہے۔

زندگی از طوف دیگر رستن است
خویش را بیت الحرم دانستن است

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، اسرارِ خودی)

ترجمہ: زندگی نام ہے دوسروں کے گرد چکر لگانے سے نجات پانے کا، اپنی ذات کو بیت الحرم جاننے کا (یعنی خود شناسی و خود احتسابی کا)۔

کبھی دریا سے مثلِ موج ابھر کر
کبھی دریا کے سینے میں اتر کر

کبھی دریا کے ساحل سے گزر کر
مقام اپنی خودی کا فاش تر کر

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ارمغانِ حجاز)

خودی کی جلوتوں میں مصطفائی
خودی کی خلوتوں میں کبریائی

زمین و آسمان و کرسی و عرش
خودی کی زد میں ہے ساری خدائی

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بالِ جبریل)

کربلا امید اور صبحِ روشن:

نہ ہو نومید، نومیدی زوالِ علم و عرفاں ہے
امیدِ مردِ مومن ہے خدا کے رازدانوں میں

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بالِ جبریل)

کربلا نام ہے ایک اُمید کا، ایک روشن صبح کا۔ کربلا نے ناامیدی ختم کی، اور دنیا کو راہِ حق میں جہدِ مسلسل کی نوید سنائی۔ امامِ عالی مقام علیہ السلام نے یومِ عاشور اپنے بھائیوں، بیٹوں، بھانجوں، بھتیجوں اور رفقاء کی قربانیاں پیش کر کے اور اُن کی لاشیں اٹھا کر اپنے ایمانِ کامل اور تقدیرِ الٰہی پر صبر و رضا کا فقید المثال نمونہ پیش کیا۔ آپ کے پائے ثبات میں ذرہ بھر لغزش نہ آئی اور ایسے ماحول میں جہاں بڑے بڑے نامور و دلاور مایوسیوں کا شکار ہو جائیں، امام عالی مقام امام حسین علیہ السلام لمحہ بھر کے لئے شکستہ و ناتواں نہیں ہوتے۔ پوری قوت اور سچائی کے ساتھ تادمِ آخر حالات کا مقابلہ کرتے ہیں۔ کربلا کا یہ درس ہے کہ کتنے بھی نامساعد حالات کیوں نہ ہوں، انسان کو حوصلہ ہارے بغیر پوری قوت، سچائی اور توانائی کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیے۔ کربلا کے صحرا میں ناامیدی اور یاس دم توڑ دیتی ہے مگر فاطمہ علیہا السلام کے چاند نے گروہِ انسانی کے لئے امید کا پیغام چھوڑا۔ عزم

وحوصلے کی لازوال مثال قائم کی اور انسانوں کو حریت (آزادی) کا درس دیتے ہوئے ایک صبح نو سے متعارف کرایا۔

ناأمیدی اور یاس (مایوسی) انسان کو جیتے جی مار دیتی ہے۔ ناامیدی انسانی زندگی کے لئے زہرِ قاتل ہے۔ مایوس انسان کا خدائے لم یزل اور اس کی رحمت پر بھروسہ نہیں رہتا، اسی لئے مایوسی کو کفر کہا گیا ہے۔ انسان کو کبھی بھی امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑنا چاہیے۔ کربلا کا یہی درس ہے کہ تادمِ آخر حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی عملی جدوجہد جاری رکھنی چاہیے۔

زندگی را یاس خواب آور بود
این دلیل سستی عنصر بود

(علامہ محمد اقبالؒ، رموز بیخودی)

ترجمہ: مایوسی زندگی کو سلا دیتی ہے، اور اس کے اجزاء میں سستی کی رہبر بن جاتی ہے یعنی اس کے اجزاء سست کر ڈالتی ہے۔

با توانائی صداقت توام است
گر خود آگاہی ہمیں جام جم است

زندگی کشت است و حاصل قوت است
شرح رمز حق و باطل قوت است

مدعی گر مایہ دار از قوت است
دعوی او بے نیاز از حجت است

باطل از قوت پذیرد شان حق
خویش را حق داند از بطلان حق

از کن او زہر کوثر می شود
خیر را گوید شرے شری شود

اے زا آداب امانت بے خبر
از دو عالم خویش را بہتر شمر

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، اسرارِ خودی)

ترجمہ و تشریح:

سچائی اور توانائی (قوت وطاقت) دونوں جڑواں ہیں، اگر تو اپنی حقیقت سے آگاہ ہو جائے تو پھر یہی جامِ جم (جمشید کا پیالہ) ہے۔ یہاں توانائی اور صداقت کو علامہ صاحب چولی دامن کے ساتھ کے طور پر بیان فرما رہے ہیں۔ یہاں جامِ جم محاورہ میں استعمال ہو کر صوفیاء کے ہاں صاف دل کا استعارہ بن گیا۔ ایسا دل جو ما سوا اللہ کے تمام آلودگیوں سے پاک ہو۔ زندگی کھیتی ہے جس سے قوت حاصل ہوتی ہے۔ حق و باطل کا راز قوت بیان کرتی ہے۔ اگر کوئی مدعی دولتِ قوت سے مالا مال ہے تو اسے اپنے دعوے کی تصدیق کے لئے کسی ثبوت یا دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ باطل طاقت کے بل بوتے پر حق کی سی شان پیدا کرتا ہے، حق کو باطل گردانتے ہوئے خود کو حق سمجھ بیٹھتا ہے۔ اس کے حکم (کن) سے کوثر (شیریں پانی کی جنتی نہر) زہر میں تبدیل ہو جاتی ہے، وہ خیر کو شر کا نام دیتے ہوئے اسے شر بنا دیتا ہے۔ اے انسان! تو آدابِ امانت سے بے خبر ہے، تو خود کو دونوں جہانوں سے بہتر سمجھ۔ یعنی اپنا مقام جان لے کہ اللہ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔

کربلا درسِ حریت انسانی:

کربلا حریتِ انسانی کی بقا کا نام ہے۔ حریتِ انسانی کی تمام کاوشوں کا محرک کربلا سے ہے۔ کربلا نے انسانی غلامی کو ہمیشہ کے لئے ختم کیا اور اس یزیدی سوچ کو بھی جو جبر کے ساتھ انسان اور انسانی افکار کو اپنا غلام بنانا چاہتی ہے۔ نیلسن منڈیلا نے جنوبی افریقا کو آمریت کے شکنجے سے آزاد کرایا اور اپنی پوری زندگی حریت کی جدوجہد میں گزار دی، صعوبتیں برداشت کیں اور زندگی کا بیشتر حصہ جیل میں گزارا۔ حریتِ انسانی کی ایسی تمام تحاریک کے لئے کربلا مینارۂ نور ہے۔ علاوہ ازیں بابا گورو نانک، مہاتما گاندھی، پنڈت جواہر لال نہرو، تھامس کارلائل، ایڈورڈ گبن، چارلس ڈکنز، جارج برنارڈ شا، مسلمان ہو کہ ہندو، سکھ ہو یا عیسائی، جملہ مذاہب کے سیاستدانوں اور دانشوروں نے اصولوں کی پاسداری کربلا سے سیکھی۔ شعراء، علماء، ادباء، دانشور، مفکر، سیاستدان اور باضمیر انسان اس عظیم قربانی کو استحسان کی نظر سے دیکھتے ہوئے اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ امام حسین علیہ السلام کی قربانی نے حریت انسانی کی تحاریک کو جلا بخشی۔ آزادی کی جملہ تحاریک کے سوتے کربلا ہی سے پھوٹتے ہیں۔ زید بن علی کا خروج ہو یا محمد النفس الزکیہ کا اقدام، امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کی راہ عزیمت ہو یا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا صبر، عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ رضی اللہ عنہ کا مدبرانہ فیصلہ ہو یا عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی راہِ عزیمت، دنیائے انسانی میں جتنی بھی حریت کی تحاریک شروع ہوئیں انھیں روشنی کربلا سے ملی۔

رمزِ قرآں از حسین علیہ السلام آموختیم
ز آتشِ او شعلہ ہا اندوختیم

شوکتِ شام و فر بغداد رفت
سطوت غرناطہ ہم ازیاد رفت

تار ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز
تازہ از تکبیر او ایمان ہنوز

(علامہ محمد اقبالؒ، رموز بیخودی)

ترجمہ وتشریح: ہم نے قرآن کے اسرار و رموز جناب حسین رضی اللہ عنہ سے ہی سیکھے ہیں اور اُنہی کی روشن کی ہوئی آگ سے شعلے سمیٹ رہے ہیں۔ دنیا کی کئی حکومتیں آئیں اور مٹ گئیں، شام اور دمشق میں بنو امیہ کا اقتدار تھا اور بغداد میں عباسی حکومتیں قائم تھیں۔ شام کی شوکت مٹ گئی اور بغداد کا جاہ و جلال ختم ہو گیا۔ غرناطہ کی سطوت اور رعب بھی رخصت ہو گیا مگر اس کے مقابلے میں کربلا کی یاد آج بھی زندہ ہے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کی مضراب ہمارے ساز کے تار اب تک چھیڑ رہی ہے جن سے نغمے نکل رہے ہیں اور اب تک ان کے نعرہ تکبیر کی صدا سے ہمارے ایمان تازہ ہو رہے ہیں۔

کربلا جراُت و بہادری:

کربلا نام ہے جراُت و بہادری، عزم و حوصلے اور باطل کے خلاف ڈٹ جانے کا۔ حق پر استقامت کا جو مظاہرہ کربلا میں دیکھنے کو ملتا ہے، تاریخ عالم اس کی نظیر لانے سے قاصر ہے۔ وہ کیسا صبر اور حوصلہ ہو گا کہ جو ذرہ برابر بھی کم نہیں ہوتا بلکہ ہر نئی مصیبت کے ساتھ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے۔ کربلا کے ریگزاروں میں کون سی مصیبت ایسی نہیں ہے جو آلِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفقاء کو درپیش نہ آئی ہو۔ لیکن حوصلہ

حضرت شبیر رضی اللہ عنہ کا اللہ اللہ۔ اسی طرف علامہ صاحب نے رموزِ بیخودی میں یوں اشارہ کیا ہے۔

عزمِ او چوں کوہساراں استوار
پائیدار و تند سیر و کامگار

ترجمہ: حسین رضی اللہ عنہ کا عزم ایسا تھا جیسے پہاڑ اپنی جگہ پر ڈٹے ہوں جو پختہ، پکا اور ناقابلِ شکست ہے۔

کربلا حق و باطل کا معرکہ ہے، کربلا جراتِ اظہار کا نام ہے۔ ایک جابر سلطان کے سامنے کلمۂ حق کہنے کا نام ہے۔ یزید نے حرام کو حلال کیا۔ اللہ کے قانون اور شریعتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر کاری ضرب لگانے کی کوشش کی۔ فرزندِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا راستہ روکا اور قربانیاں دے کر اپنے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کے دین اسلام کو زندۂ جاوید کر دیا۔ کربلا ظلم کے گھوڑے کو لگام دینے کا نام ہے۔ بہادری جراتِ اظہار کلمۃ الحق کی ہو یا شجاعت کا مظاہرہ رن میں نکل کر دشمن سے نبرد آزما ہونے کی صورت میں ہو، امامِ عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے اعوان و انصار نے اس کی بے مثال نظیر کربلا میں پیش کی۔ بہادری کے ساتھ آخر دم تک لڑتے رہے، دشمن کی صفوں کو چیرا تاوقتیکہ اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی۔ حسینیت نے یزیدیت کو بے نقاب کیا اور ہمیشہ کے لیئے عزت و تقدیس کے معیار کو واضح کر دیا۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کی جرأت اور بہادری کا اندازہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمانِ عالیشان سے لگایا جا سکتا ہے۔ جب امام حسین رضی اللہ عنہ اس دنیا میں تشریف لائے تو سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا نے اپنے بابا صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ میرے بیٹے کو کچھ عنایت کیجئے۔ آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:

حسن رضی اللہ عنہ کے لئے میری ہیبت اور سرداری اور حسین رضی اللہ عنہ کے لئے میری جود (سخاوت) اور جرأت ہے۔

جس کی جرأت نبی کریم ﷺ کی عطا کردہ ہو اور جس کو بہادری اپنے بابا حیدرِ کرّار سے ورثہ میں ملی ہو تو اس کی بہادری کے کیا کہنے۔ ایک غیر مسلم مؤرخ جس نے تاریخِ چین لکھی یوں رقمطراز ہے: تم نے کربلا کو نہیں پڑھا، اگر پڑھتے تو کبھی رستم کی بہادری کی مثالیں نہ دیتے۔ کربلا میں حسین علیہ السلام کے چار جہت دشمن تھے۔ پانچواں دشمن عرب کی سخت دھوپ تھی۔ مشہور محاورہ ہے کہ عرب کی دھوپ کی مثل صرف عرب کی دھوپ ہی ہو سکتی ہے۔ چھٹا دشمن عرب کی دھوپ میں تپتی ہوئی کربلا کی ریگ (ریت)۔ ساتواں اور آٹھواں دشمن بھوک اور پیاس۔ حسین علیہ السلام کے آٹھ اطراف سے دشمن برسرِ پیکار تھے۔ یہ حالات کسی بھی انسان کے حوصلوں کو شکستہ کرنے کے لئے کافی ہوتے ہیں۔ مگر حسین علیہ السلام کے حوصلے کا جواب نہیں۔

آپ اگر غور کریں تو اس مؤرخ کی بیان کردہ جہتوں کے علاوہ بھی کربلا میں کچھ عوامل کارفرما تھے۔ خیموں میں عابدِ بیمار بھی ہے۔ اہلِ بیت علیہم السلام کی عفت مآب بیبیاں بھی، اپنے نانا ﷺ کی امت کی جفا بھی ہے اور معصوم علی اصغر کی تڑپ بھی ہے۔ یومِ عاشورا اپنے خاندان کے ۲۸ لاشوں کو ملا کر اے جانثاروں کی شہادت کا حال بھی، امامِ عالی مقام علیہ السلام ایک ایک لاشے کو اٹھا کر خیمے میں لاتے ہیں۔ پھر بھی صابرین کے امام حسین علیہ السلام جس عزم، حوصلے اور استقلال کے ساتھ یزیدی فوج کے ساتھ برسرِ پیکار ہوتے ہیں، انسانی تاریخ میں بہادری کی ایسی مثال کہیں نہیں ملتی۔ حسین علیہ السلام وہ کوہِ گراں اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں کہ جن کے عزم اور حوصلے کو کوئی مصیبت متزلزل نہیں کر سکی۔

اے کربلا کی خاک اس احسان کو نہ بھول
تڑپی ہے تجھ پہ لاشِ جگر گوشۂ بتول

اسلام کے لہو سے تیری پیاس بجھ گئی
سیراب کر گیا تجھے خونِ رگِ رسول

کرتی رہے گی پیش شہادت حسین رضی اللہ عنہ کی
آزادیٔ حیات کا یہ سرمدی اصول

چڑھ جائے کٹ کے سر تیرا نیزے کی نوک پر
لیکن یزیدیوں کی اطاعت نہ کر قبول

(مولانا ظفر علی خان)

بندۂ حق ضیغم و آہو ست مرگ
یک مقام از صد مقام است مرگ

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، جاوید نامہ)

ترجمہ: بندۂ حق شیر ہے، جب کہ موت اس کے لئے ہرن ہے۔ اس کے سینکڑوں مقامات میں سے موت ایک مقام ہے۔

امامِ عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ، فرمانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں شبلِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم (شبل شیر کے بچے کو کہتے ہیں) ہیں۔

حسنین رضی اللہ عنہما کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شبلین فرمایا ہے۔ اور جنابِ حسین رضی اللہ عنہ شیرِ خدا مولا علی کرم اللہ وجہہ کے فرزند ہیں۔

سلام اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے نازوں کے پالے حسین رضی اللہ عنہ
کربلا کے حق پرستوں اور بہادروں کو سلام

کربلا ایک عظیم انقلابِ حیات:

کربلا نام ہے حقیقت کے ادراک کا، کربلا کی معرفت دین کی حقانیت کا اوجِ کمال ہے۔ کربلا سوچ اور فکر کو بالیدگی عطا کرتی ہے۔ کربلا کا شعور انسانی اذہان وقلوب کو وسعت عطا کرتا ہے۔ کربلا کا تخیل افلاک کی حقیقتوں سے آشنائی کا ذریعہ ہے۔ کربلا کی فکر انسانی اقدار کے ارتقاء کا باعث ہے۔ کربلا کے فہم میں جب اضافہ ہوتا ہے تو مرتبۂ ولایت حاصل ہوتا ہے۔ کربلا صدیقین کا شعار ہے، کربلا صالحین کی آماجگاہ ہے۔ کربلا کا قاری خوف سے نجات حاصل کرلیتا ہے۔ کربلا کا شعور فہم وفراست عطا کرتا ہے۔ کربلا کا تبحر دریائے معرفت سے ہمکنار کرتا ہے۔ کربلا کی سوچ صراط مستقیم پر چلاتی ہے۔ کربلا صراط الذین انعمت علیھم کا راستہ دکھاتی ہے۔ کربلا کا تحیر تنگ نظری، فرقہ پرستی، تعصب اور منافرت کا قلع قمع کرتا ہے۔ کربلا مظلوم کا ساتھ دینے کی علمبردار ہے۔ کربلا ربِ ذوالجلال پر کامل یقین اور بھروسہ عطا کرتی ہے۔

جوں جوں کربلا کی معرفت میں اضافہ ہوتا ہے، افکارِ انسانی کی نشو میں ترقی ہوتی چلی جاتی ہے۔ کربلا کا ادراک اور عرفان جتنا زیادہ ہوتا ہے، اتنا بلند اور ارفع انسانی کردار ہوتا ہے۔ کربلا کی معرفت میں اضافہ حق تعالیٰ کے ہاں مراتب کی بلندی کا باعث ہے۔ مجلسِ شہِ ابرار میں قرب کا نام ہے کربلا۔ کربلا کا ادراک حاصل کرنے کے لئے کربلا کو پڑھنا، کربلا کو جاننا، کربلا میں غور کرنا اور کربلا کا حسی ومعنوی شعور ناگزیر ہے۔ کربلا سے زندگیوں میں نکھار آتا ہے۔ کربلا ایک عظیم انقلاب کا نام ہے۔ کربلا کا علم دنیا وآخرت میں سرخرو کرتا ہے۔ کربلا زندگی کا حاصل ہے۔ کربلا زندگی کی متاعِ بے بہا ہے۔ کربلا خونِ حسینی سے لکھا ہوا دستور، کربلا ریگزاروں میں بسا ہوا چمن۔ کربلا کا ہیرو حسین علیہ السلام ہے جس نے اپنا پاک لہو دے کر قیامت تک کے انسانوں کے لئے حریت کا

آئین بنایا۔ کربلا کے چمن زاروں میں آلِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و اولادِ علی رضی اللہ عنہ نے کل انسانی شعار کی تاریخ لکھ دی۔

فقر ذوق و شوق و تسلیم و رضا است
ما امینیم ایں متاعِ مصطفےٰ است

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، پس چہ باید کرد اے اقوامِ مشرق)

ترجمہ: فقر، ذوق وشوق اور تسلیم ورضا کی کیفیت ہے۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متاع ہے اور ہم اس کے نگہبان ہیں۔

فقرِ عریاں گرمیِ بدر و حنین
فقرِ عریاں بانگِ تکبیرِ حسین

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، پس چہ باید کرد اے اقوامِ مشرق)

ترجمہ: عریاں فقر بدر اور حنین کے معرکوں کی گرمی ہے۔ عریاں فقر (کربلا میں) حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی تکبیر کی آواز ہے۔

پردہ اٹھا دوں اگر چہرۂ افکار سے
لا نہ سکے گا فرنگ میری نواؤں کی تاب

جسمیں نہ ہو انقلاب، موت ہے وہ زندگی
روحِ امم کی حیات کشمکشِ انقلاب

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بالِ جبریل)

کربلا بقائے دین:

کربلا دین کی بقا کا نام ہے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ بنائے لا الہ ہیں یعنی دین کی بنیا

دیں۔ حسین رضی اللہ عنہ دین بھی ہیں اور دین پناہ بھی، آپ رضی اللہ عنہ شاہ بھی ہیں اور بادشاہ بھی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنا سر تو کٹا دیا اور اپنی اور اپنے گھرانے اور رفقاء کی جانوں کے نذرانے حق تعالیٰ کے حضور پیش کیے مگر ظالم کی بیعت نہ کی۔ اسی طرف خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ سے منسوب اشعار میں اشارہ کیا گیا ہے۔

شاہ است حسین رضی اللہ عنہ بادشاہ است حسین رضی اللہ عنہ
دین است حسین رضی اللہ عنہ دین پناہ است حسین رضی اللہ عنہ
سر داد نہ داد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسین رضی اللہ عنہ

ترجمہ: امام حسین رضی اللہ عنہ شاہ بھی ہیں اور بادشاہ بھی، حسین رضی اللہ عنہ دین بھی ہیں اور دین کو بچانے والے بھی ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے سر دے دیا لیکن اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں نہ دیا۔ سچ تو یہ ہے کہ امامِ حسین رضی اللہ عنہ کلمہ توحید کی بنیاد ہیں۔

بہرِ حق در خاک و خوں غلطیدہ است
پس بنائے لا الہ گردیدہ است

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ ، رموزِ بیخودی)

ترجمہ: امام حسین رضی اللہ عنہ حق تعالیٰ کے لئے خاک و خون میں تڑپے، اور کلمۂ توحید کی روشن بنیاد ثابت ہوئے۔

امامِ عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ نے یومِ عاشورا اپنے رب کو یوں پکارا:

اے اللہ ہر مصیبت میں میرا سہارا تیری ہی ذات ہے۔ ہر مشکل میں تجھ ہی سے امیدیں ہیں۔ آج میں جس جگہ کھڑا ہوں صرف تیری ہی ذات کا آسرا ہے۔ تو ہی ہر نعمت کا عطا کرنے والا ہے اور ہر بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔

مسجد کی صفوں سے کبھی مقتل کی طرف دیکھ
توحید تجھے شبیر کے سجدے میں ملے گی

کربلا میں غور کریں تو امام عالی مقام امام حسینؑ کربلا کے ریگزاروں میں توحید کا نقشہ کھینچتے نظر آتے ہیں اور اپنے خون سے گلشنِ توحید کی آبیاری کرتے نظر آتے ہیں۔ رموزِ بیخودی میں اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ فرماتے ہیں:

نقشِ الا اللہ بر صحرا نوشت
سطرِ عنواں نجاتِ ما نوشت

ترجمہ: امام حسینؑ نے کربلا میں الا اللہ کا نقش صحرا کے سینے میں بٹھا دیا گویا یہ نقش ہماری نجات کے عنوان کی سطر کے طور پر لکھ دیا۔

خونِ او تفسیر ایں اسرار کرد
ملتِ خوابیدہ را بیدار کرد

ترجمہ: امام حسینؑ کے خون نے اس راز کی تفسیر پیش کر دی اور (اپنے عمل سے) ملتِ خوابیدہ کو بیدار کر دیا۔

اک فقر ہے شبیری اس فقر میں ہے میری
میراثِ مسلمانی سرمایۂ شبیری

(علامہ محمد اقبالؒ ،بالِ جبریل)

علامہ صاحب فقرِ شبیری اور سرمایۂ شبیری کو میراثِ مسلمانی قرار دے رہے ہیں۔

کربلا کے ہیرو امام حسین رضی اللہ عنہ:

شہزادۂ گلگوں قبا، راکبِ دوشِ پیغمبر ﷺ، سردارِ جوانانِ جنت، سبطِ رسولِ اکرم ﷺ، فرزندِ بنی ہاشم، پروردۂ آغوشِ رسالت مآب ﷺ، امامِ عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ خطیبِ نوکِ سناں ہیں۔ آپ ناطقِ قرآں بھی ہیں اور قاریٔ قرآں بھی، وہ مولائے ابرارِ جہاں بھی، کٹے ہوئے سرِ انور سے تلاوت کرنا صرف آپ رضی اللہ عنہ کا اعجاز ہے۔ وہ مفسر بھی ہیں اور تفسیر بھی، وہ حدیث کا بیان بھی اور سنتِ مصطفےٰ ﷺ کے امین بھی۔ محدث ان کے کوچے کے دریوزہ گر، ولایت ان کی خاکِ راہ گزر، وہ رہبرِ حق پرست، وہ نبی زادے، نسبتِ رسالت مآب ﷺ بھی اور نسبِ رسول ﷺ بھی، ان کی پہلی غذا لعابِ دہنِ رسول ﷺ ہے، ان کے کان میں پہلی آواز اذان و اقامتِ فخرِ رسولاں ﷺ ہے۔ حسین رضی اللہ عنہ ہادی بھی ہیں اور امام بھی، وہ آدمیت کے سرخیل اور انسانیت کا شعار بھی، وہ دین کی روح بھی اور شارعِ دین رضی اللہ عنہ کی جان بھی، گلشنِ رسالت ﷺ کے پھول بھی، سرکارِ ختمی مرتبت ﷺ کیلئے جنت کی خوشبو بھی، وہ امام الانبیاء ﷺ کے سجدوں کا طول بھی اور خطبوں کی وجہِ موقوف بھی، وہ دوشِ رسالت ﷺ کے سوار بھی۔

مسجدِ نبوی ﷺ ان کا صحن اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ان کے ناز بردار، مصطفےٰ ﷺ کا سینہ مبارک آپ رضی اللہ عنہ کا مسکن، آپ رضی اللہ عنہ کا نام حسین رضی اللہ عنہ مشیتِ پروردگار کی لازوال مثال ہے، حسین رضی اللہ عنہ ظالم کے خلاف مظلوم کے لئے سپر بھی اور یزیدیت کے خلاف دو دھاری تلوار بھی، وہ ابنِ رسول ﷺ بھی اور جانِ بتول رضی اللہ عنہا بھی، علی رضی اللہ عنہ کے لال بھی اور شبیر رضی اللہ عنہ کی جان بھی، آپ ابا عبداللہ اور شبیر رضی اللہ عنہ بھی۔ زینبِ حزیں رضی اللہ عنہا کے دل کی دھڑکن اور زین العابدین رضی اللہ عنہ کا افتخار بھی۔ وہ حمزہ رضی اللہ عنہ کی

للکار اور فخرِ جعفرِ طیار رضی اللہ عنہ بھی ۔ وہ عبادتوں کا گوہر اور کمال بھی، وہ خلق میں بے مثال اور تبلیغِ دین کا جمال بھی۔

کربلا شعارِ دین:

کون سا اسلامی شعار ایسا ہے جس کا عملی نمونہ کربلا میں نظر نہیں آتا۔ ایمانِ کامل ہو یا توکل بر خدائے لم یزل ہو، رضا بہ رضائے الٰہی ہو یا امر بالمعروف و نہی عن المنکر ،شکر گزاری و انکساری ہو یا جابر سلطان کے سامنے کلمۂ حق کہنا، امامِ عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ نے اعلائے کلمۃ الحق کے لئے مصیبتیں جھیلیں، قربانیں پیش کیں ، کون سی مصیبت ایسی ہے جو کربلا کے صحرا میں آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ دیکھی ہو۔ امام حسین رضی اللہ عنہ صابرین کے امام بھی ہیں اور جہدِ مسلسل کی دلیل بھی۔ وہ عزمِ صمیم کے کوہِ گراں بھی ، کربلا قربانی کی لازوال داستان ہے۔ شبِ عاشور اور یومِ عاشور کے لمحات اور کربلا کے تپتے ریگزار اس بات کے گواہ ہیں کہ ان کی تلواروں کے سائے میں کی گئی عبادتیں ان پر نازاں ہیں۔ زندگی کے آسودہ لمحات میں دین کی تبلیغ کرنا اور بات ہے اور کربلا یا کربلا جیسے ماحول میں تبلیغ صرف نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی کام ہے۔ ایثار، صلہ رحمی، حق پرستی، سچائی، امتِ مسلمہ کا درد، آخری وقت تک کوشش کرتے رہے کہ کسی طور یہ اشقیاء نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قتلِ ناحق جیسے بدترین جرم سے بچ جائیں، آپ رضی اللہ عنہ کے نانا صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ امتی جہنم کی آگ کا ایندھن نہ بنیں۔

اصلاحِ امت کا فریضہ ہو یا جبر و مطلق العنانی کے مکروہ چہرے کو ہمیشہ کے لئے عیاں کرنا ہو۔ امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کی عظیم قربانی نے یزیدیت کے مسخ شدہ چہرے کو تا صبحِ قیامت بے نقاب کر دیا۔ آگ میں جاتے ہوئے حُر کو آزادی کا پروانہ تھما دیا۔ مسجد میں منبر پر بیٹھ کر خوشگوار اور آرام دہ ماحول میں خطبہ دینا اور بات ہے اور ۲۲ ہزار (یہ کم

سے کم تعداد ہے جو تاریخ میں یزیدی لشکر کی بیان ہوئی ہے) مسلح دشمنانِ دین کے سامنے خطبۂ حق دینا صرف خطیب نوکِ سناں علیہ السلام کا ہی کام ہے۔ اپنے موقفِ حق پر غیر متزلزل استقلال و استقامت، جو کسی بھی قسم کے نامساعد حالات اور جور و جبر کے آگے بے بس نہ ہو کربلا میں نظر آتی ہے۔ عفو و درگزر، جہاد بالسان اور جہاد بالسیف، عظیم مرتبۂ شہادت اور دیگر اسلامی اوصاف وشعار کربلا اور مظلومِ کربلا علیہ السلام کے نقشِ پا میں نظر آتے ہیں۔

اندر و ہر ابتدا را انتہا است
حیدر از نیر وے او خیبر کشا است

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، مسافر مثنوی)

ترجمہ: اس (قرآن) کے اندر ہر ابتدا کی انتہا ہے، حضرت علی حیدر کرار علیہ السلام اسی (قرآن) کی قوت سے فاتح خیبر ہوئے۔

جنھیں کربلا میں کچھ نظر نہیں آتا یا جو کربلا کو محض ایک افسانہ کہتے ہیں، ان کی چشم بینا نہیں، ان کے دل بصیرت سے محروم ہیں۔ وہ روئیں اپنی قسمت کو۔ کربلا کے انقلاب نے ہر دور کے حریت پسندوں کو ہمت اور طاقت بخشی۔ دین کی پہچان کربلا بن گئی۔ کربلا میں جب دینِ اسلام کو خطرہ لاحق ہوا تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لال علیہ السلام نے قربانیوں کے نذرانے دے کر دینِ اسلام پر منڈلاتے ہوئے خطرے کو ہمیشہ کے لئے دور کیا اور شریعتِ محمدی کی پاسداری کرتے ہوئے دین اور دینی احکام کا احیا کیا۔

سلام ہو اے کربلا کے مظلوم شہیدو!
سلام ہو آپ پر اے حسین ابنِ علی علیہ السلام

کربلا نبی اکرم ﷺ کی شہادتِ جہری کا باب:

کربلا نام ہے رسولِ خدا ﷺ کی شہادتِ جہری کے باب کی تکمیل کا۔ جس طرح امام حسن رضی اللہ عنہ کی زہر خورانی سے شہادت رسول ﷺ خدا کی شہادتِ سرّی کے باب کا مظہر تام ہے، بعینہٖ امامِ عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت رسولِ اکرم ﷺ کی شہادتِ جہری کا ظہور تام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں وعدہ کیا تھا کہ اے حبیب ﷺ ہم آپ کو دشمنوں سے محفوظ رکھیں گے۔ اب وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کے تحت حضور ﷺ کو کوئی شہید نہیں کر سکتا تھا اور شہادت کا عظیم رتبہ پانے کی شدید خواہش بھی حضور ﷺ کی تھی۔ اور ہر دو طرح (شہادتِ سرّی و شہادتِ جہری) کی شہادتیں بھی آپ ﷺ کے حصے میں آنی تھیں۔ اسلئے پروردگارِ عالم نے آپ ﷺ کے دونوں نواسوں حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کو چنا اور یوں امام حسن رضی اللہ عنہ کی زہر خورانی سے شہادت نے حضرتِ محمد ﷺ کی شہادتِ سرّی کے باب کو مکمل کیا اور امام حسین رضی اللہ عنہ کی تیروں، تلواروں اور نیزوں سے شہادت نے حضرت محمد ﷺ کی شہادتِ جہری کے باب کی تکمیل کی۔ اب اس خوبصورت نسبت کو احادیثِ مبارکہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اَلْحَسَنُ مِنِّی وَ اَنَا مِنَ الْحَسَن

ترجمہ: حسن رضی اللہ عنہ مجھ سے ہے اور میں حسن رضی اللہ عنہ سے ہوں۔

اَلْحُسَیْنُ مِنِّی وَ اَنَا مِنَ الْحُسَیْن

ترجمہ: حسین رضی اللہ عنہ مجھ سے ہے اور میں حسین رضی اللہ عنہ سے ہوں۔

اسی طرح ترمذی اور مشکوٰۃ شریف میں حدیثِ مبارکہ ہے کہ جس کے مطابق امام حسن رضی اللہ عنہ سر سے سینے تک اور امام حسین رضی اللہ عنہ سینے سے پاؤں تک حضور نبیِ کریم ﷺ

کے مشابہ ہیں۔ یعنی دونوں شہزادے حضور رسالت مآب ﷺ کی سیرت اور صورت کے لحاظ سے عملی تصویر تھے۔ کیا شان ہے گلشن رسالت ﷺ کے ان مہکتے پھولوں کی، جن کی شہادت کی نظیر تاریخ عالم میں کہیں اور نہیں ملتی کیوں کہ جو شرف بھی میرے آقا محمد مصطفےٰ ﷺ کو تمام گروہِ انبیاء میں حاصل ہے، وہ بدرجۂ کمال ہے۔

سلام ہو آپ رضی اللہ عنہ پر اے محمد مصطفےٰ ﷺ کے لاڈلے نواسو!

کربلا ذبحِ عظیم کی تفسیر:

کربلا نام ہے ذبح عظیم کی تفسیر کا۔ ابوالانبیاء حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک خواب دیکھا جس میں وہ اپنے بیٹے کو راہِ خدا میں قربان کرتے ہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام کا خواب بھی وحیٔ الٰہی ہوتا ہے اس لئے اس خواب کی تعبیر کے لئے جنابِ ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹے جنابِ اسماعیل علیہ السلام کو سارا ماجرا سناتے ہیں۔ جنابِ اسماعیل علیہ السلام کہتے ہیں کہ جو خواب آپ علیہ السلام نے دیکھا ہے، اسے پورا فرمائیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کا حکم بجا لائیے۔ آپ علیہ السلام مجھے صابروں میں سے پائیں گے۔ جنابِ ابراہیم علیہ السلام اپنے فرزند جنابِ اسماعیل علیہ السلام کو لے کر میدان میں جاتے ہیں اور زمین پر لٹاتے ہیں۔ آنکھوں پر پٹی باندھ لیتے ہیں کہ مبادا شفقتِ پدری حکم خداوندی کے راستے میں رکاوٹ بن جائے۔ جنابِ ابراہیم علیہ السلام حکمِ خداوندی کی تعمیل میں اپنے بیٹے کے گلے پر چھری چلا دیتے ہیں۔ مگر مشیتِ ایزدی میں کچھ اور لکھا ہوتا ہے۔ آزمائش و امتحان کے کئی باب کھلنے ہوتے ہیں۔ قرآن سورۃ صافات میں کہتا ہے: وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ یعنی ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض دے دیا۔ اور یوں اسماعیل علیہ السلام کی جگہ جنت سے ایک مینڈھا آجاتا ہے اور یہ قربانی ۶۱ ہجری تک موقوف کر دی جاتی ہے اور کربلا کے ریگزاروں میں نواسۂ رسول ﷺ یہ عظیم قربانی پیش کرتے ہیں۔ اسماعیل علیہ السلام ذبیح اللہ

کہلاتے ہیں اور امام حسین رضی اللہ عنہ ذبحِ عظیم کی تفسیر بن جاتے ہیں۔ اللہ اللہ کیا عظیم الشان قربانی ہے حضرت شبیر رضی اللہ عنہ کی۔ رموزِ بیخودی میں ذبحِ عظیم کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنیِ ذبحِ عظیم آمد پسر

ترجمہ: یعنی امام حسین رضی اللہ عنہ کے والد حضرت علی کرم اللہ وجہہ، بائے بسم اللہ یعنی علومِ قرآنی کا دروازہ ہیں اور امام حسین رضی اللہ عنہ ذبحِ عظیم کی تفسیر ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نقطۂ بائے بسم اللہ ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا: اَنَا النُّقْطَةُ تَحْتَ الْبَاء یعنی میں با کے نیچے نقطہ ہوں۔ اسی طرح آپ رضی اللہ عنہ کا یہ قول بھی مختلف کتب میں موجود ہے کہ تمام کتابوں کا علم قرآنِ مجید میں ہے۔ قرآن کا نچوڑ سورۃ فاتحہ ہے۔ سورۃ فاتحہ کا نچوڑ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا نچوڑ اس کی با میں ہے اور وہ با میں علی رضی اللہ عنہ کی ذات ہوں۔ اسی طرح امام المفسرین اور حبر الامۃ (اُمت کے سب سے بڑے عالم) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے وہ بات بھی ہمارے سامنے ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ عشاء کی نماز کے بعد الحمد (سورۃ فاتحہ) کی تفسیر بیان کرنے لگے تو صبح کا وقت ہوگیا (اور ابھی با کی تفسیر ختم نہ ہوئی تھی)۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا اگر میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر لکھ دوں تو ستر اونٹوں کا بار بن جائے۔ ایسا کیوں نہ ہو، وہ نقطۂ بائے بسم اللہ ہیں احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بابِ مدینۃ العلم، بابِ دارالحکمہ ہیں، **علی مع القرآن و القرآن مع علی لن یتفرقا حتیٰ یردا علیّ الحوض**، یعنی علی رضی اللہ عنہ قرآن کے ساتھ اور قرآن علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے۔ اور یہ دونوں

ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر میرے پاس پہنچ جائیں۔

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اس کی حسین رضی اللہ عنہ، ابتدا ہے اسماعیل علیہ السلام

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بالِ جبریل)

سرِ ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام بود
یعنی آں اجمال را تفصیل بود

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، رموزِ بیخودی)

ترجمہ وتشریح: امام حسین رضی اللہ عنہ کی قربانی، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا ہی تسلسل ہے۔ یعنی وہ قربانی تو اجمال کی منزل پر ہی منعقد ہوئی۔ اور اس کی تفصیل امام عالی مقام رضی اللہ عنہ نے بہتر جانثاروں کے ساتھ شہادت کی صورت میں پیش کی۔ جنابِ اسماعیل علیہ السلام نے اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کیا، جنابِ ابراہیم علیہ السلام نے جو خواب دیکھا، اپنے بیٹے کو لٹا کر اپنی طرف سے ان کے گلے پر چھری چلا کر سچ کر دکھایا۔ اسماعیل علیہ السلام کی جگہ جنت سے مینڈھا آگیا اور سنتِ ابراہیمی میں تمام مسلمان عید الاضحیٰ کے موقع پر جانوروں کی قربانی کے ساتھ اس اجمالی قربانی کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ قدرت نے ان کی قربانی کو قبول کرتے ہوئے ذبحِ عظیم کو مؤخر کر دیا جس کی تفصیل کربلا کے ریگزاروں میں محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے نے بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کی قربانیاں دے کر پیش کی۔ کربلا قربان گاہ بن گئی جس میں قربانی کے عنوان کی تمام تفصیلات درج ہو گئیں۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کی قربانی وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ کی تفسیر بن گئی۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے ہیں اور اسی طرح حضرت حسین رضی اللہ عنہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ہیں۔ اسماعیل علیہ السلام نبی اور نبی زادے ہیں اور امام حسین رضی اللہ عنہ نبی نہیں مگر نبی زادے ہیں۔ جناب ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ اور ابوالانبیاء ہیں اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ،حبیب اللہ اور خاتم الانبیاء ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کے دروازے بند ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں ذبیحین یعنی دو ذبیحوں کی اولاد سے ہوں، ایک ذبیح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ امجد جناب اسماعیل علیہ السلام اور دوسرے ذبیح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد گرامی جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ۔

جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ کے ذبیح ہونے کا واقعہ بھی معروف ہے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا جناب عبدالمطلب نے یہ منت مانی تھی کہ اگر میں ۱۰ بیٹوں کو جوانی کی عمر تک پہنچتا دیکھ لوں ،تو جو بھی ان میں سب سے حسین اور خوبصورت ہو گا اسے راہِ خدا میں قربان کر دوں گا۔ چنانچہ جب آپ کے ۱۰ بیٹے ہو گئے اور جوانی کی عمروں کو پہنچ گئے تو آپ نے اپنی منت پوری کرنے کا ارادہ کیا۔ جناب عبد اللہ رضی اللہ عنہ کے حسن و جمال کا پورے عرب میں شہرہ تھا۔ جناب عبدالمطلب نے انھیں راہِ حق میں قربان کرنے کا فیصلہ کیا۔ جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ کی قربانی کا سنتے ہی مکہ میں کہرام مچ گیا۔ اہلِ مکہ جوق در جوق سردارِ عرب شیبۃ الحمد (جناب عبدالمطلب) کے پاس آئے اور درخواست کی کہ اپنی منت کو اس طرح پورا کر لیجیے کہ جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ اور ۱۰ اونٹوں کے درمیان قرعہ ڈالیئے۔ اگر قرعہ اونٹوں کے نام نکل آئے تو اونٹ قربان کر دیجئے ورنہ دوبارہ اونٹوں اور جناب عبداللہ کے درمیان قرعہ ڈالتے رہیے تاوقتیکہ قرعہ اونٹوں کے نام نکل آئے۔ قرعہ ڈالا گیا جو جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ کے نام نکل آیا، دس اونٹ قربان کر دیے گئے اور دوبارہ قرعہ ڈالا گیا۔ یہاں تک کہ ۱۰ بار قرعہ جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ کے نام نکلتا رہا، اونٹ قربان کرتے گئے یہاں تک کہ جناب عبدالمطلب نے ۱۰۰ اونٹ راہِ خدا میں قربان کر دیے۔

تب کہیں جا کر قرعہ اونٹوں کے نام نکلا اور یوں یہ قربانی بھی آلِ ابراہیم علیہ السلام سے ٹل گئی اور منزلِ اجمال تک ہی رہی۔

صدقِ خلیل علیہ السلام بھی ہے عشق، صبرِ حسین رضی اللہ عنہ بھی ہے عشق
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بالِ جبریل)

امامِ عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ ذبحِ عظیم کی تفسیر اور کربلا عظیم قربانیوں کی لازوال داستان ہے۔ ابراہیم اور آلِ ابراہیم علیہ السلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے آباء واجداد ہیں۔ ابراہیم اور آلِ ابراہیم علیہ السلام، محمد و آلِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی ربط اور تعلق درودِ ابراہیمی میں بیان ہوا ہے۔ اہلِ عرفان اس لطیف ربط سے خوب محظوظ ہو سکتے ہیں۔

درودِ ابراہیمی!

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی آلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْد

اے اللہ رحمت بھیج تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر، جیسے رحمت نازل فرمائی تو نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر، تحقیق تو تعریف کے لائق بزرگی والا ہے۔

اَللّٰھُمَّ بَارِكْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰی اِبْرٰھِیْمَ وَ عَلٰی آلِ اِبْرٰھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْد

اے اللہ برکت نازل فرما تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی آل پر، جیسے برکت فرمائی تو نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کی آل پر، تحقیق تو تعریف کے لائق بزرگی والا ہے۔

اسی ربط کو علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اشعار میں بیان فرمایا ہے۔ اور اسی ربط کے حوالے سے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

يَـا آلَ بَيْـتِ رَسُوْلِ اللّٰـهِ حُبُّكُمُ
فَرْضٌ مِنَ اللّٰـهِ فِي الْقُرْآنِ اَنْزَلَهُ
يَكْفِيْكُمْ مِنْ عَظِيْمِ الْفَخْرِ اَنَّكُمْ
مَنْ لَمْ يُصَلِّ عَلَيْكُمْ لَا صَلٰوةَ لَهُ

ترجمہ: اے اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! آپ کی محبت اللہ کی طرف سے ہمارے اوپر فرض کی گئی ہے۔ اور اللہ نے یہ حکم قرآن میں نازل فرمایا ہے۔ آپ کی عظمتِ شان کے لئے یہی کافی ہے کہ جس نے آپ پر درود شریف نہیں پڑھا، اس کی نماز ہی نہیں ہوئی۔

کربلا درسِ وفا شعاری وحق پرستی:

کربلا نام ہے وفا شعاری کا۔ کربلا میں رفقائے امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ نے جانثاری اور سرفروشی کی ایک عظیم داستان رقم کی۔ ان سربکف مجاہدوں میں ہمیں بوڑھے، جوان، بچے، عورتیں اور آزاد کردہ غلام، ہر طرح کے جانثار نظر آتے ہیں۔ اس جانثاری اور قربانی کے جذبے پر نظر دوڑائیں تو کسی کی پیرانہ سالی آڑے آتی ہے نہ کمسنی، بھوک غلبہ پا سکتی ہے نہ پیاس، عرب کی گرمی اس کو مات دے سکتی ہے نہ موت کا خوف۔ بوڑھے جوانوں سے بڑھ کر اور بچے بوڑھوں سے پہلے قربان ہونے کے لئے بیتاب نظر آتے ہیں۔ بوڑھوں کا جذبہ جوان اور دیدنی ہے، ایک سے بڑھ کر ایک وفا شعار امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ پر اپنی جان وار دینے کے لئے اذنِ امام رضی اللہ عنہ کا منتظر ہے۔ حبیب ابنِ مظاہر ہوں، مسلم ابنِ عوسجہ ہوں، زہیر ابنِ قین ہوں یا بریر ابنِ حضیر ہمدانی ہوں، ہر ایک

دوسرے سے بڑھ کر دشمن کے ساتھ مقابلے کو تیار ہو رہا ہے۔ سامنے دشمن کی ۲۲ ہزار فوج ہے اور اس طرف چند درجن افراد جن میں سے اکثر بچے اور خواتین ہیں۔ کربلا کو دو شہزادوں کی جنگ کہنے والوں نے اگر افواج کی تعداد کا یہ تقابل کیا ہوتا تو انھیں پتا چلتا کہ ایسی جنگ کہاں تاریخ میں نظر آتی ہے۔ جنگ کرنے کے لئے بچوں اور عورتوں کو ساتھ لے کر نہیں جایا جاتا۔ اس کے لئے افواج پورے جنگی ساز و سامان کے ساتھ جایا کرتی ہیں۔ خیر جو کوتاہ بین ہوتے ہیں انھیں یہ ساری چیزیں کب نظر آتی ہیں۔

مدعایش سلطنت بودے اگر
خود نکردے با چنیں سامانِ سفر

دشمناں چوں ریگِ صحرا لا تعد
دوستان او بہ یزداں ہم عدد

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، رموزِ بیخودی)

ترجمہ و تشریح: امام عالی مقام علیہ السلام نے یہ جنگ دین کی بقا کے لئے لڑی اور خلافت کے تعین کے لئے جو اصول شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طے کئے تھے اس کے دفاع کے لئے اپنی جانیں دیں، ان کا مقصد سلطنت حاصل کرنا نہیں تھا۔ اگر وہ حکومت کے لئے یہ کام کرتے تو اتنے تھوڑے سامان اور آدمیوں (خواتین اور بچوں) کے ساتھ کیوں کوفہ کی طرف روانہ ہوتے۔ ان کے دشمن صحرا کی ریت کے ذروں کی مانند کثیر (ہزاروں کی) تعداد میں تھے جبکہ آپ کے رفقائے کار گنے چنے افراد پر مشتمل تھے۔ آپ علیہ السلام کے ساتھیوں کی تعداد اتنی ہی تھی جتنی یزداں کے عدد ہیں۔ (ی ۱۰، ز ۷، د ۴، ا ۱، ن ۵۰، کل ۷۲) یزداں کے اعداد کا مجموعہ بہ قاعدہ ابجد بہتر ہی ہے۔ کربلا میں بھی بہتر افراد کی

شہادت ہوئی۔

تیغ بہر عزت دین است و بست
مقصد او حفظ آئین است و بست

ما سوی اللہ را بندہ نیست
پیش فرعونے سرش افگندہ نیست

خون او تفسیر ایں اسرار کرد
ملت خوابیدہ را بیدار کرد

تیغ لا چوں از میاں بیروں کشید
از رگ ارباب باطل خوں کشید

(علامہ محمد اقبالؒ، رموزِ بیخودی)

ترجمہ: شمشیر (تلوار) صرف دین کی عزت و ناموس کے لئے بے نیام ہو سکتی ہے اور ان (حسین علیہ السلام) کا مقصد اور جنگ کسی ذاتی اغراض و مقاصد کے لئے نہیں تھی بلکہ دینِ اسلامی اور شریعتِ محمدی ﷺ کی بقا اور پاسداری کے لئے تھی۔ کربلا کا پیغام یہ ہے کہ مسلمان اللہ کے سوا کسی اور کا غلام نہیں بن سکتا اور اس کا سر کسی فرعون کے سامنے نہیں جھک سکتا۔ امام عالی مقام علیہ السلام کے خونِ پاکیزہ نے اس راز سے پردہ ہٹایا اور سوئی ہوئی ملت کو جگا کر یہ نکتہ سمجھایا۔ یعنی ملت اس بات سے غافل تھی۔ امام حسین علیہ السلام نے اس کی غفلت دور کی۔ انھوں نے لا کی تلوار میان سے نکال کر

کھینچی اور باطل کی رگوں سے خون نکال دیا۔

سامنے شامی فوج میں جنگی اسلحے، خوراک اور پانی سے سیر ہزاروں کی تعداد میں اشقیا، موجود ہیں اور لشکرِ حسینی میں تین دن کی بھوک اور پیاس کے باوجود گنے چنے رفقائے امام حسین علیہ السلام پوری طرح مستعد، بے خوف اور موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوئے کوثر کا جام پینے کو بیتاب ہیں۔ اتنی بڑی تعداد میں فوج اپنے سامنے دیکھ کر چند درجن افراد ویسے ہی ہتھیار ڈال دیں، ارادے اور حوصلے شکستہ ہو جائیں۔ مگر کربلا کے ریگزار کچھ اور ہی منظر پیش کر رہے ہیں۔ وہ زندگی کربلا کے صحرا میں نظر آ رہی ہے جسے موت ڈرا نہ سکی۔ کربلا میں مائیں اپنے بچوں کو اطاعتِ امامِ عالی مقام علیہ السلام میں رہ کر راہِ حق میں نچھاور کرتی نظر آتی ہیں۔ جانثاری کا یہ کیسا جذبہ ہے جو ممتا کے اتنے لطیف اور قوی رشتے پر حاوی ہو جاتا ہے۔ کربلا میں بھائی، بیٹے، بھتیجے، چچازاد بھائی اور ان کے بیٹے امامِ عالی مقام علیہ السلام پر اپنی جانیں وارتے نظر آتے ہیں۔ کہیں عباس علمدار وفا کی بے نظیر تاریخ رقم کرتے ہیں تو کہیں مسلم ابنِ عقیل علیہ السلام کی جانثاری ضرب المثل بن جاتی ہے۔ کہیں قاسم بن حسن علیہ السلام کی شجاعت اور دلیری کے چرچے ہیں تو کہیں علی اکبر کی جوانی اور ہیبت دشمن فوج کو خوفزدہ کیے ہوئے ہے۔ کہیں معصوم علی اصغر کا تبسم قیامت تک یزیدیت کو رسوا کر دیتا ہے تو کہیں ثانی زہرا، عقیلۂ بنی ہاشم، سیدہ زینب الکبریٰ علیہا السلام کا صبر، حوصلہ اور للکار یزیدیت کو ہمیشہ کے لئے ذلت کے گڑھوں میں پھینک دیتا ہے۔ کہیں عون و محمد کی قربانیاں ہیں تو کہیں جنابِ جون مسیحی کی وفا۔ کہیں عبداللہ بن عمیر کلبی کا جذبۂ جانثاری ہے تو کہیں حُر ابنِ یزید ریاحی کی غیرتِ انسانی۔ وفا کربلا کے ہر کردار پر ناز کرتی نظر آتی ہے۔ وفاداری و جانثاری اور قربانی و سرفروشی کا سرچشمہ ہے کربلا۔

کربلا کے وفا شعارو، سلام!

عشق پہ بجلی حلال، عشق پہ حاصل حرام
علم ہے ابن الکتاب، عشق ہے ام الکتاب

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، ضرب کلیم)

کربلا درسگاہِ عظیمہ:

کربلا ایک عظیم درسگاہِ حیات ہے، جہاں سے بھٹکی ہوئی انسانیت کو روشنی ملتی ہے۔ کربلا سے روشنی (نُور) کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ کربلا راہِ حق ڈھونڈنے والوں کے لئے مینارۂ نُور ہے۔ حسین رضی اللہ عنہ کربلا سے حُر بناتے ہیں۔ حسین رضی اللہ عنہ ہادی، رہبر اور امام ہیں جنھوں نے انسانوں کو تکریم کو سبق دیا۔ کربلا توحید سکھاتی ہے۔ کتنے بھی نامساعد حالات کیوں نہ ہوں، انسان کو ہمت نہیں ہارنی چاہیے، مایوس ہونے کی بجائے باطل کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے۔

یہ درس کربلا کا ہے
خوف بس خدا کا ہے

اس شعر کے مصداق کربلا ناامیدی ختم کرتی ہے اور امید کی شمع جلاتی ہے۔ کربلا عظمتِ انسانی کا استعارہ ہے۔ کربلا شرافت، اخلاق اور حسنِ سلوک سکھاتی ہے۔ کربلا صبر اور استقامت کا شعور بخشتی ہے۔ کربلا وفا اور وفا شعاری کا مظہر ہے۔ کربلا آئینۂ حق ہے۔ کربلا ایک کسوٹی ہے جس پر کھرے اور کھوٹے کی تفریق ہوتی ہے۔ کربلا ضمیر کی آواز کا نام ہے۔ بے ضمیر انسان کا کربلا سے کیا لینا دینا۔ کربلا بے ضمیری، ضمیر فروشی اور یزیدیت کا قلع قمع کرتی ہے۔ کربلا قربانی اور محبت کا جوہر عطا کرتی ہے۔ کربلا غیرتِ ایمانی کا جھومر ہے۔ کربلا حریتِ انسانی کی زینت ہے۔ کربلا شعور اور فکر کو جلا بخشتی ہے۔ کربلا میں عبادتوں کا اخلاص ہے۔ کربلا میں بیمار کربلا ہے جو زین

العابدین ہیں، سید الساجدین ہیں، سید التابعین ہیں، عابدوں کے سر کا تاج ہیں۔ کربلا اعلیٰ ظرفی اور اعلیٰ نسبی کا پتہ دیتی ہے۔ کربلا بہن کی بھائی کے لئے لازوال محبت کا نشان ہے۔ کربلا بھائیوں کی جانثاری کا امتحان ہے۔ کربلا احباب و انصار کی بیمثال قربانی کی داستان ہے۔ کربلا موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کی خُوگر ہے۔ کربلا حلال و حرام کے درمیان خطِ تنسیخ ہے۔ کربلا آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کی یادگار ہے۔ کربلا معلی ہے۔ کربلا آج بھی پراگندہ اذہان کے لئے بیداری کا سامان مہیا کرتی ہے۔ کربلا دین کے احیا کا نام ہے۔ کربلا سے معرفتِ الٰہی کے چشمے پھوٹتے ہیں۔ کربلا کی معرفت حاصل کرنے والے ولی اور قلندر بنتے ہیں۔ کربلا ادراکِ حق اور حقیقت کا پرتو ہے۔ کربلا حق کی فتح کا میدان ہے۔ کربلا باطل کے سر پر لہراتی تلوار ہے۔ کربلا ایک عظیم درسگاہ اور ہماری محبتوں اور عقیدتوں کا محور ہے۔ سلام کربلا کے درخشندہ باسیو!

در قبای خسروی درویش زی
دیدہ بیدار و خدا اندیش زی

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، پیامِ مشرق)

ترجمہ: لباسِ شاہی میں بھی درویشوں کی سی زندگی گزار، آنکھ بیدار رکھ اور خدا اندیش رہ کر جی۔

کربلا تکریمِ انسانی اور شعائرِ اسلامی کی بقا کا نام ہے۔ کربلا کے نُور (روشنی) نے تاریکیوں سے نکال کو انسانی قلوب و اذہان کو منور کیا اور بھٹکے ہوئے انسانوں کو جادہ حق پر فائز کیا۔ کربلا روشنی عطا کرتی ہے جو انسان کو حق کا سیدھا راستہ دکھاتی ہے۔ امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ نے نار میں جاتے ہوئے حُر کو اپنی طرف کھینچ کر یہ پیغام دیا کہ اگر کوئی ہدایت کی خواہش رکھتا ہو تو کربلا کے نُور سے رہنمائی حاصل کرے۔ کربلا مخالفین کے ساتھ بھی اعلیٰ طرزِ عمل کی عکاس ہے۔ حُر دشمن فوج کے ہراول دستے کا

سالار ہے۔ حر آپ کا راستہ روکتا ہے اور امام عالی مقام امام حسین ؓ اپنے ساتھیوں کو حکم دیتے ہیں کہ حر کے لشکریوں اور گھوڑوں کو پانی پلاؤ۔ یہ حسینی طرزِ عمل ہے جبکہ یزیدی نسبتِ رسول ﷺ کا لحاظ کرتے ہیں نہ انسانی اقدار کا۔ یزیدی لشکر معصوم بچوں سمیت، عورتوں اور بوڑھوں تک پر پانی بند کر دیتا ہے۔ یہ فرق ہے حسینیت اور یزیدیت کا۔ امام عالی مقام ؓ آخری دم تک کوشش کرتے ہیں کہ کسی طور یہ نواسہ رسول ﷺ کے خون میں ہاتھ رنگنے سے بچ جائیں اور موقع فراہم کرتے ہیں کہ اگر کوئی باطل صفوں سے نکل کر سرخرو ہونا چاہے تو اپنے طرزِ عمل سے رجوع کر لے۔ حُر اس موقعے سے فائدہ اٹھا کر عین آخری لمحے پر گھوڑے کو ایڑ لگاتا ہے اور یزیدی لشکر سے نکل کر خدمتِ امام عالی مقام ؓ میں آ جاتا ہے۔ اپنی بدبختی کو خوش بختی میں بدل کر آزادی کا پروانہ حاصل کر لیتا ہے۔ آج بھی کوئی حُر کے نقشِ قدم پر چلنا چاہے تو اپنی سیاہ بختیوں سے چھٹکارہ حاصل کر سکتا ہے۔ کربلا پکار پکار کر یہ آواز دے رہی ہے کہ بانگِ حق سے اپنے قلوب و اذہان کو بند کرنے کی بجائے اس اسوۂ عظیمہ سے رہنمائی حاصل کرو۔ کربلا انسانی تکریم کو بحال کرتی ہے۔ کربلا ریگزاروں کو معطّر بناتی ہے۔ کربلا کا فیض آج بھی جاری ہے اور ہمیشہ جاری رہے گا۔ ہر دور میں حق پرست کربلا کا ذکر کرتے رہیں گے اور کربلا کے نُور (روشنی) سے فیض یاب ہوتے رہیں گے۔ کوئی بھی حق پرستی کا دعوی دار کربلا کے بغیر ادھورا ہے۔ کربلا حق کا استعارہ ہے اور یزیدیت باطل کا۔

حسینیت امن کا پیغام دے کر نجات کے راستے کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور یزیدیت ذلت کے گڑھوں میں جا پھینکتی ہے۔ آج کوئی بھی مسلمان خواہ وہ کسی بھی فرقے سے ہو، حسینی ہے اگر اس کی زندگی انسانیت کے لئے ہے اور اخلاقی تقاضوں پر پورا اترتی ہے۔ وہ حسینی ہے اگر اس کی زندگی امن کے فروغ میں صرف ہوتی ہے۔ معاشرے کو کارِ خیر کی شکل میں فائدہ پہنچاتی ہے۔ نفرتوں کا درس دینے کی بجائے محبتوں

کو فروغ دیتی ہے۔ حسینی امن پسند ہوگا، تشدد، تکلیف دہ امور اور قتلِ ناحق جیسی قبیح حرکات سے بری الزمہ اور لاتعلق۔ محرم الحرام کا مہینہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے کی عظیم قربانی کی یاد دلاتا ہے۔ دل اور روح میں سوز و گداز پیدا کرتا ہے۔ ہر وہ شخص ظالم اور یزیدی ہے جو ظلم کرتا ہے یا ظالم کی حمایت کرتا ہے چاہے وہ کسی بھی فرقے سے ہو اور ہر وہ شخص حسینی ہے جو مظلوم کا حامی اور ظالم سے متحارب رہتا ہے۔ کربلا انسانی اقدار اور اسلامی شعار کی امین ہے۔

آئینِ جوانمرداں، حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں رُوباہی

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بالِ جبریل)

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بالِ جبریل)

کربلا خواتین کی لازوال جدوجہد کا باب:

کربلا نام ہے خواتین کی بیمثال جدوجہد، صبر و رضا، عزم و حوصلے اور قائدانہ صلاحیتوں کے اظہار کا۔ بقول شاعر:

حدیثِ عشق دو باب است کربلا و دمشق
یکے حسین علیہ السلام رقم کرد و دیگرے زینب سلام اللہ علیہا

ترجمہ: حدیثِ عشق کے دو باب ہیں، ایک کربلا میں حسین علیہ السلام نے رقم کیا اور دوسرا کربلا سے کوفہ، کوفہ سے دمشق اور دمشق سے مدینہ تک کے سفر میں امام حسین علیہ السلام کی بہن سیدہ زینب سلام اللہ علیہا نے رقم کیا۔

عورت صنفِ نازک کے قبیل سے ہوتی ہے، نرم دل اور نازک۔ ذرا سا خطرہ ہو، خوف میں مبتلا ہو جاتی ہے۔ رو پڑتی ہے۔ اور مرد کی پناہ تلاش کرتی ہے، جو باپ، بیٹا، خاوند یا بھائی ہو سکتا ہے۔ لیکن کربلا کے صحرا میں علی ؑ کی بیٹی، نبی ﷺ کی نواسی، فاطمۃ الزہراؑ کی لاڈلی، حسن اور حسین ؑ کی بہن سیدہ زینب ؑ یزیدیت کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جاتی ہیں اور یزیدیت کے کھوکھلے قلعے کو جو بظاہر طاقت کے نشے میں مست ہے، مسمار کر دیتی ہیں۔ سیدہ زینب ؑ کا حوصلہ، جرأت اور جدوجہد عورتوں کے لئے ایک فقید المثال نمونہ ہے۔ آپ ؑ کربلا میں یزیدی مظالم دیکھتی ہیں۔ اپنے ۶ بھائیوں بشمول امام عالی مقام امام حسین ؑ کی شہادت دیکھ رہی ہیں۔ اپنے ابنِ عم کی قربانیوں کا ملاحظہ کرتی ہیں۔ اپنے عزیز از جان بھتیجوں علی اکبر، علی اصغر، قاسم بن حسن وغیرھم کی شہادتیں دیکھ رہی ہیں۔ اپنے بیٹوں عون و محمد کو خود اپنے بھائی پر قربان کرنے کے لئے میدانِ جنگ کی طرف روانہ کرتی ہیں۔ کربلا کے ریگزاروں میں ۷۲ شہادتیں اور ان کے کٹے پھٹے لاشے یومِ عاشورہ دیکھتی ہیں۔ یزیدی فوج کے ستم بعد از شہادت امام عالی مقام امام حسین ؑ دیکھ رہی ہیں۔ یزیدی امام عالی مقام ؑ کے جسدِ اطہر پر گھوڑے دوڑاتے ہیں اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کرتے ہیں۔ خیام حسینی کا مال و اسباب لوٹ لیا جاتا ہے۔ سیدہ سکینہ بنت الحسین کے دُرِ گوشِ مبارکہ سے انتہائی وحشیانہ طریقے سے اس طرح کھینچ لئے جاتے ہیں کہ حسین ؑ کی چار سالہ بیٹی کے کانوں سے خون نکلنا شروع ہو جاتا ہے۔ بیمار کربلا امام زین العابدین ؑ کو زنجیروں میں جکڑا جاتا ہے اور ان کے گلے میں فولاد کا وزنی طوق ڈال دیا جاتا ہے۔ نبی ﷺ کی نواسیوں اور مخدرات اہلِ بیت کو قیدی بنایا جاتا ہے۔ ان کی ردائیں چھین لی جاتی ہیں۔ بغیر پالانوں کے اونٹوں پر بٹھایا جاتا ہے۔ کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے دمشق قریہ قریہ، کوچہ کوچہ پھرایا جاتا ہے، شہداء کے سر نیزوں پر بلند کیے جاتے

ہیں ۔ بازاروں ، درباروں اور راستوں پر اس بات کی تشہیر کی جاتی ہے کہ حکومت کے باغیوں کا انجام دیکھ لو۔ کوفہ میں دربارِ ابنِ زیاد اور دمشق میں دربار یزید میں مجرموں کی طرح پیش کیا جاتا ہے۔ خاندانِ نبوت ﷺ کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ قیدیوں پر پتھر پھینکے جاتے ہیں۔ زینب ؓ حزیں اپنے نانا ﷺ کی امت کا یہ وحشیانہ سلوک دیکھ رہی ہیں۔ یہ واقعات لکھتے ہوئے قلم میں تاب نہیں رہی، دل غم واندوہ سے پھٹ رہا ہے، جگر پارہ پارہ ہوا جارہا ہے۔ تاریخ عالم میں کہاں نظر آتی ہے کوئی ایسی عورت، جس پر اس درجہ کی مصیبتیں پڑی ہوں۔ مگر آج علی ؓ کی بیٹی کا امتحان ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی نواسی سیدہ زینب ؓ کا حوصلہ، صبر اور کردار خواتین کے لئے تاصبحِ قیامت ایک عظیم اسوۂ کاملہ بن جاتا ہے۔

آپ کے بابا حضرت علی کرم اللہ وجہہ منبرِ سلونی کے خطیب ہیں، میں یہاں بڑے ادب سے یہ کہنے کی جسارت کرنا چاہتا ہوں کہ مولا علی ؓ کے لئے منبرِ سلونی پر خطبہ دینا آسان تھا بہ نسبتِ سیدہ زینب ؓ۔ سیدہ زینب ؓ نے حالتِ اسیری میں جس طرح کوفہ اور شام کے درباروں اور بازاروں میں خطبے ارشاد فرمائے انھوں نے ذوالفقارِ حیدری کا کام کیا اور یزیدیت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دیا۔ مخدرات اہلِ بیت کے ساتھ حسین ؓ کی چار سالہ بیٹی سکینہ اور بڑی بیٹی فاطمہ کبریٰ بھی ہیں۔ سیدہ زینب بنت علی ؓ کے ساتھ ان کی بہن سیدہ ام کلثوم بھی ہیں۔ سیدہ فضہ جو کنیزِ سیدۃ النساء سیدہ فاطمۃ الزہراء ؓ ہیں وہ بھی کربلا میں موجود ہیں۔ سیدہ ام کلثوم، سیدہ فاطمۃ الکبریٰ اور سیدہ فضہ، سیدہ زینب ؓ کے ساتھ اس سارے سفر میں موجود ہیں۔ جہاں سیدہ زینب ؓ کے خطبات یزیدیت کے دانت کھٹے کرتے ہیں، وہیں ان مخدراتِ عفت مآب کے خطبات بھی کوفیوں اور شامیوں کے چہرے بے نقاب کرتے نظر آتے ہیں۔ امِ وہب اور کچھ دیگر خواتین کے نام بھی کربلا کے منظرنامے میں نظر

آتے ہیں۔ ان خواتین کے دکھ، درد اور آلام کے باوجود ان کا حوصلہ، صبر، مقابلہ اور دندان شکن خطبات رہتی دنیا تک خواتین کے لئے مشعلِ راہ ہیں۔ یاد رہے کہ یہ وہ خواتین ہیں جو چادرِ تطہیر کے سائے میں پروان چڑھی ہیں۔

کربلا کی عفت مآب شہزادیو سلام!

آج کوئی بھی انسان یزید کا نام اپنی اولاد کے لئے رکھنا گوارا نہیں کرتا اور ہر طرف ہمیں، محمد ﷺ، حسن علیہ السلام، حسین علیہ السلام، علی علیہ السلام، فاطمہ علیہا السلام اور زینب علیہا السلام کے نام نظر آتے ہیں۔ یہ سیدہ زینب علیہا السلام کا کردار ہے جس نے خواتین کے حوصلوں کو جلا بخشی۔ آج خواتینِ عالم سیدہ زینب علیہا السلام کی جدوجہد کی مرہونِ منت ہیں جنھوں نے یہ ثابت کیا کہ خواتین کو اگر نامساعد حالات کی وجہ سے عملی میدان میں آنا پڑے تو وہ کیسے فاتحانہ شان اور کردار کی بلندی کے ساتھ حالات کا مقابلہ کر سکتی ہیں۔

سیدہ زینب علیہا السلام آپ کے حوصلے اور کردار کو تمام انسانیت اور غیرتِ انسانی کا سلام!!

کربلا نام ہے ممتا کے امتحان کا۔ کربلا میں ہمیں کچھ خواتین نظر آتی ہیں جو اپنے بیٹوں کو مقصدِ امامِ عالی مقام علیہ السلام پر یعنی حسینیت پر قربان کرنے کے لئے بیتاب نظر آتی ہیں۔ ہر ایک ماں کی یہ خواہش ہے کہ اس کا بیٹا پہلے قربان ہو جائے۔ یہ مائیں ایک دوسرے سے بڑھ کر یہ سعادت حاصل کرنا چاہتی ہیں کہ نصرتِ امام علیہ السلام میں ان کا بیٹا پہلے شہید ہو جائے۔ مائیں خود اپنے بیٹوں کو تیار کر کے مقتل کی طرف روانہ کر رہی ہیں۔ مخدراتِ اہلِ بیت میں سیدہ زینب بنت علی ابن ابی طالب علیہ السلام، سیدہ لیلیٰ بنت ابی مرہ مسعود ثقفی، سیدہ رباب بنت امراء القیس بن عدی، سیدہ امّ فروہ شامل ہیں۔ امام زین العابدین علیہ السلام کی والدہ سیدہ شہر بانو بنت یزدجر بن شہریار کربلا کے واقعے سے پہلے رحلت فرما چکی تھیں۔ سیدہ زینب علیہا السلام اپنے بیٹوں عون اور محمد کی قربانیاں پیش کرتی ہیں۔

سیدہ لیلیٰ اپنے لختِ جگر علی اکبر کو تیار کر کے قربان گاہ کی طرف روانہ کرتی ہیں۔ سیدہ امِ فروہ اپنے دلبند جناب حسن مجتبےٰ کی نشانی جناب قاسم کو رن کی طرف رخصت کرتی ہیں۔ سیدہ رباب کی ٦ ماہ کے علی اصغر کی ننھی قربانی، یزیدیت پر اتنی بھاری پڑتی ہے کہ اس کے گلے میں ہمیشہ کے لئے لعنت کا طوق ڈال دیتی ہے۔ اور یزیدیت اپنا مسخ شدہ چہرہ چھپائے پھرتی ہے۔ بہت فکر انگیز لمحہ ہے کہ جانثاری کا وہ کیسا جذبہ ہے جو ممتا پر غالب آ جاتا ہے۔ مخدراتِ عفت مآب اپنی ممتا کو بھلا کر مقصدِ امام عالی مقامؑ پر اپنے شہزادے قربان کرتی نظر آتی ہیں۔

آج کی ماؤں کے لئے علامہ محمد اقبالؒ ارمغانِ حجاز میں فرماتے ہیں:

اگر پندے ز درویشے پذیری
ہزار امت بمیرد تو نہ میری
بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرے بگیری

ترجمہ: اگر تو ایک درویش کی نصیحت مان لے تو ہزاروں قومیں مٹ جائیں گی مگر تو نہ مٹے گی۔ تو بتول (فاطمۃ الزہراءؑ) بن اور اس دور سے چھپ جا۔ تا کہ تو اپنی آغوش میں کوئی شبیرؑ (امام حسینؑ) لے سکے۔

اسی طرح رموزِ بیخودی میں فرمایا:

سیرت فرزند ہا از امہات
جوہر صدق و صفا از امہات
مزرعِ تسلیم را حاصل بتولؑ
مادراں را اسوہ کامل بتولؑ

ترجمہ: بیٹوں کی سیرت میں ماؤں کا کردار ہوتا ہے۔ انسانی فطرت میں سچائی اور پاکیزگی کے جو جوہر ہیں، ماؤں کی تربیت کے ہی مرہونِ منت ہیں۔ سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا ہی تسلیم کی کھیتی کا حاصل ہیں اور آپ رضی اللہ عنہا مسلمان ماؤں کے لئے اسوہ کاملہ بن گئیں۔ یعنی ایسا نمونہ جس میں ماؤں کی زندگی کے ہر پہلو کے لئے بہتر سے بہتر مثال موجود ہے۔

فطرت تو جذبہ ہا دارد بلند
چشم ہوش از اسوۂ زہرا رضی اللہ عنہا بلند
تا حسینے شاخ تو بار آورد
موسم پیشیں بگلزار آورد

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، رموزِ بیخودی)

ترجمہ: اے مسلمان خاتون! تیری فطرت میں بڑے بلند جذبے موجزن ہیں۔ تو ہوش کی نظر حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے نمونے پر جمائے رکھ تاکہ تیری شاخ میں بھی حسین رضی اللہ عنہ جیسا پھل لگے اور ہمارے باغ میں پہلی سی بہار پھر آجائے۔

منظوم اردو ترجمہ از کوکب شادانی:

اپنی فطرت دیکھ، پھر دنیا کو دیکھ
چشم دل سے اسوۂ زہرا رضی اللہ عنہا کو دیکھ

پھر ملے شاید دنیا میں چین
گود میں آئے تری کوئی حسین رضی اللہ عنہ

کربلا، کرب و بلا و ابتلا:

کربلا نام ہے کرب و بلا کا۔ کربلا ایک امتحان ہے اللہ کے نبی ﷺ، ان کے نواسے امام حسینؓ، امام عالی مقام کے رفقاء اور خانوادۂ نبوت ﷺ کے صبر اور قربانیوں کا۔ اللہ نے اپنے پیاروں کو آزمایا، چاہے وہ گروہ انبیاء ہو یا صالحین، صحابہ کرامؓ ہوں یا اولیاءِ کاملین، مقربینِ حق تعالیٰ کا امتحان بھی بدرجۂ قرب ہوتا ہے۔ اور جس کا قرب حق تعالیٰ سے جتنا زیادہ ہوگا، اتنا ہی اس کا امتحان سخت اور کٹھن ہوگا۔

شرعِ محبت میں ہے عشرتِ منزل حرام
شورشِ طوفاں حلال، لذتِ ساحل حرام

(علامہ محمد اقبالؒ، ضربِ کلیم)

مقربینِ حق کی آزمائش کا سلسلہ انسان کی تخلیق کے ساتھ ہی شروع ہو گیا تھا۔ گروہِ انبیاءؑ کے ابتلا کے واقعات سے ہم بخوبی واقف ہیں۔ جنابِ آدمؑ کو خلد سے زمینِ ارضی پر بھیجا جاتا ہے۔ تقریباً ۵۰۰ سال تک آدم و حواؑ کو ایک دوسرے سے جدائی کے امتحان سے گزرنا پڑتا ہے۔ دونوں ایک دوسرے کو تلاش کرتے ہیں تاوقتیکہ آدمؑ کی توبہ قبول کی جاتی ہے اور دونوں ایک دوسرے کو ڈھونڈ پاتے ہیں۔ جنابِ آدمؑ کے جگر گوشے جنابِ ہابیل کو ناحق قتل کر دیا جاتا ہے۔ جنابِ نوحؑ کو بیٹے، بیوی اور امت کی جفا کا صدمہ دیکھنا پڑتا ہے۔ جنابِ ابراہیمؑ کو نارِ نمرود میں منجنیق کے ذریعے پھینکا جاتا ہے۔ جنابِ ابراہیمؑ کو حکم ہوتا ہے کہ اپنی بیوی ہاجرہؑ اور معصوم اسماعیلؑ کو غیر آباد جگہ پر چھوڑ کر واپس لوٹ جائیں۔ جنابِ یعقوبؑ اپنے چاند ماہِ کنعان جنابِ یوسفؑ کی جدائی برداشت کرتے ہیں اور رو رو کر اپنی بینائی کھو بیٹھتے ہیں۔ جنابِ ایوبؑ کے ۱۲ بیٹے چھت گرنے سے

موت کا ابدی پیالہ پی لیتے ہیں، باغ اور پھل جل جاتے ہیں، ریوڑ ہلاک ہو جاتے ہیں، جسم میں کیڑے پڑ جاتے ہیں۔ جناب زکریا علیہ السلام کو آرے سے چیرا جاتا ہے۔ جناب یحییٰ علیہ السلام کا جوانی میں ہی سر کاٹ کر شہید کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح دیگر انبیاء علیہم السلام کو بھی کڑے امتحانات سے گزرنا پڑا۔

آگ ہے، اولادِ ابراہیم ہے، نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحاں مقصود ہے

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بانگِ درا)

اب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے گھرانے کی باری آتی ہے۔ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طائف میں پتھروں سے لہولہان کیا جاتا ہے۔ ۱۳ سالہ مکی دورِ حیات میں کون سا ظلم روا نہیں رکھا جاتا۔ شعبِ ابی طالب کا زمانہ ہو یا کفارِ قریش کا منصوبہ قتل، کبھی جانوروں کی آلائشیں پھینکی جاتی ہیں تو کبھی زدوکوب کیا جاتا ہے۔ کبھی راہ میں کانٹے بچھائے جاتے ہیں، تو کبھی مکہ کے اوباش لڑکوں سے پتھر پھینکوائے جاتے ہیں۔ خیبر میں آپ کو یہودیہ عورت کی طرف سے زہر دیا جاتا ہے۔ غزوہ احد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دندان مبارک زخمی ہوتے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادت کی افواہ تک پھیل جاتی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں وعدہ کیا کہ اے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم آپ کو دشمنوں سے محفوظ رکھیں گے۔ اب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ کے تحت حفاظتِ ربِ ذوالجلال میں آ جاتے ہیں اور کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جان نہیں لے سکتا۔ اور شہادت کا عظیم رتبہ پانے کی شدید خواہش بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تھی۔ اور ہر دو طرح کی شہادتیں (شہادتِ سرّی و شہادتِ جہری) بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حصے میں آنی تھیں۔ اسلئے پروردگارِ عالم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دونوں نواسوں حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ کو چنا اور یوں امام حسن رضی اللہ عنہ کی زہر خورانی سے شہادت نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شہادتِ سرّی کے باب کو مکمل کیا اور

امام حسین رضی اللہ عنہ کی تیر، تلوار اور نیزوں سے شہادت نے حضرت محمد ﷺ کی شہادتِ جہری کے باب کی تکمیل کی۔ کیا شان ہے گلشنِ رسالت ﷺ کے ان مہکتے پھولوں کی، جن کی شہادت کی مثال تاریخِ عالم میں کہیں اور نظر نہیں آتی کیوں کہ جو شرف بھی میرے آقا محمد مصطفےٰ ﷺ کو تمام گروہ انبیاء علیہم السلام میں حاصل ہے وہ بدرجہ کمال ہے۔ حضور ﷺ امام الانبیاء ہیں، ہر نبی علیہ السلام کے کمالات اور خوبیاں آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس میں بدرجۂ کمال جمع ہیں۔ کربلا امتحان ہے سرکارِ انبیاء ﷺ کا، اسی لئے نواسۂ رسول ﷺ امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف سے پیش کی جانے والی قربانیاں بھی تمام قربانیوں سے بڑی، کربلا کا امتحان بھی اتنا ہی کڑا اور ابتلا و آزمائش بھی اتنی ہی کٹھن ہوئی تھی۔ کربلا میں نبی زادوں اور نبی زادیوں نے اپنے نانا ﷺ کی طرف سے قربانیاں پیش کیں۔ تمام مصیبتیں اور ستم کربلا کے صحرا میں گلشنِ مصطفےٰ ﷺ کے پھولوں کو آگھیرتے ہیں بلکہ مصیبتوں کا ایک کوہِ گراں آلِ نبی ﷺ پر ٹوٹ پڑتا ہے۔

وہ حسین رضی اللہ عنہ جن کو اللہ کے نبی ﷺ نے ناز و نعم سے پالا، جن کو آپ ﷺ بوسے دیا کرتے، اپنے سینے پر لٹایا کرتے، جن کو سونگھا کرتے اور کہا کرتے کہ مجھے حسین رضی اللہ عنہ سے جنت کی خوشبو آتی ہے، حسنین رضی اللہ عنہما کے بارے میں کہا کرتے کہ حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ دنیا میں میرے دو پھول ہیں۔ حسنین رضی اللہ عنہما ذرا سا لڑکھڑاتے تو خاتم الانبیاء ﷺ خطبوں کو موقوف کر کے اٹھاتے، پشت پر آجائیں تو سجدوں کو طویل کر دیتے، دوش مبارک پر بٹھا کر سواری کراتے، دونوں ہاتھ زمین پر رکھ دیتے اور چوپائیوں کی طرح اپنے اوپر بٹھا کر سواری کراتے اور اپنے نواسوں کا دل بہلایا کرتے، حسنین رضی اللہ عنہما کے رونے کی آواز تاجدارِ دو عالم ﷺ کو بیقرار کر دیتی، پیاسے ہوتے تو اپنی وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ والی زبان چوسا کر ان کی پیاس بجھاتے۔ وہ حسین رضی اللہ عنہ جو نبیوں کے سلطان ﷺ کی داڑھی مبارک کے ساتھ کھیلا کرتے، یہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے

لاڈلے اور علی ؓ کے پیارے بیٹے حسین ؓ ہیں۔ یہ صحابہ کرام ؓ کی آنکھوں کے تارے حسین ؓ ہیں۔ جن کو بعد از رحلتِ مصطفےٰ ﷺ، صحابہ کرام ؓ کا شانہ فاطمہ ؓ پر جا کر دیکھا کرتے اور تسکین حاصل کرتے۔ یہ وہ حسین ؓ ہیں جن کی بات بلالِ حبشی ؓ نہیں ٹالتے۔ بہت بعد از رحلتِ رسولِ اکرم ﷺ، ایک دفعہ مدینہ آئے تو اہلِ مدینہ نے بلال ؓ سے اذان دینے کی فرمائش کی مگر بلال نہ مانے۔ عشق بھی عجیب چیز ہے، اس کے معاملات عام ذہن کی سمجھ سے باہر ہیں۔ اس واقعے پر بہت سوچا، اذانِ بلالی ؓ ضرب المثل ہے، بلال ؓ رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں اذان دیا کرتے تھے۔ جب حضور ﷺ اس دنیا سے تشریف لے جاتے ہیں تو بلال ؓ اذان دینا چھوڑ دیتے ہیں اور شام کی طرف جنگی مہمات پر چلے جاتے ہیں۔ بہت عرصے بعد سرکارِ مدینہ خواب میں آتے ہیں اور فرماتے ہیں بلال یہ کیسی جفا ہے۔ بلال ؓ تڑپ اٹھتے ہیں اور فوراً مدینہ آتے ہیں، اہلِ مدینہ کے پرزور اصرار کے باوجود اذان نہیں دیتے، اذان تو اللہ کی توحید کا اعلان، اللہ کے رسول ﷺ کی رسالت کا اقرار اور نماز کی طرف بلاوا ہی ہے ناں، بلال ؓ آپ اذان دے دیتے، مگر وہ محبوب آقا نہیں رہے جن کو بلال اذان سنایا کرتے تھے۔ اہلِ مدینہ کو بھی خوب معلوم تھا کہ بات کیسے منوائی جا سکتی ہے۔

وہ حسنین ؓ کے پاس آئے اور درخواست کی۔ حسنین ؓ نے بلال ؓ سے اذان دینے کا کہا تو بلال ؓ کیسے ٹال سکتے تھے۔ بلال ؓ کو اذان دینا پڑی۔ مدینے کی عورتیں اور مرد یہ گمان کر کے نکل آتے ہیں کہ شاید حضور ﷺ دوبارہ تشریف لے آئے ہیں۔ گریہ وزاری کا عجب منظر ہے مدینۃ الرسول ﷺ میں۔ یہ وہ حسین ؓ ہیں کہ جن کی رکاب تھام کر ان کو گھوڑے پر سوار کرانے کو عبداللہ ابنِ عباس ؓ اعزاز سمجھتے ہیں۔

اقبال! کس کے عشق کا یہ فیضِ عام ہے
رومی فنا ہوا، حبشی کو دوام ہے

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، بانگِ درا)

یہ وہ حسین رضی اللہ عنہ ہیں کہ جن کے جوتوں کی گرد اپنے رومال سے صاف کرنے پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فخر کرتے ہیں، پوچھا گیا کہ ابو ہریرہ ایسا کیوں کر رہے ہو تو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ جواب دیتے ہیں کہ لوگوں کو اگر آپ کے مناقب کا پتا چل جائے تو آپ کو اپنے کاندھوں پر اٹھا کر پھریں۔ یہ وہ حسین رضی اللہ عنہ ہیں جن کی دلجوئی کرنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بہت محبوب تھا۔ عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے رعب و دبدبے والے خلیفہ حسین رضی اللہ عنہ کے آگے بچھ بچھ جاتے ہیں۔ یہ وہ حسین رضی اللہ عنہ ہیں کہ جن کو جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے کاندھوں پر بٹھاتے اور فرماتے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے اپنے بیٹوں سے زیادہ عزیز ہیں۔ ایسا ہی ایک قول جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا بھی ملتا ہے جب انھوں نے امام حسین رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میرے بیٹے عبداللہ کی نسبت آپ کا مجھ پر حق زیادہ ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے امام حسین رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ میرے بیٹے کو تو خلیفہ وقت سے ملاقات کے لئے اجازت کی ضرورت ہے مگر آپ بغیر اجازت مجھ سے ملنے چلے آیا کریں۔ اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ایک موقع پر امام حسن رضی اللہ عنہ سے فرمایا: اللہ نے آپ (اہلِ بیت) کی ہی برکت سے ہمارے سروں پر بال اگائے ہیں۔

آج امام حسین رضی اللہ عنہ اور باغِ نبوت کے پھولوں کو کربلا کی گرمی اور یزیدیوں کے ستم کس طرح ستا رہے ہیں۔ یہ کیسا طوفانِ بدتمیزی گرم ہے۔ یہ کیسی مسلمانی ہے کہ یزیدی فوج کلمہ بھی پڑھ رہی ہے اور نمازیں بھی، ذریتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی لحاظ ہے نہ اللہ کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی حیا۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ سکھایا تھا کہ دشمنوں اور غیر مسلموں کے بچوں پر بھی رحم کرنا، عورتوں اور بوڑھوں کے ساتھ نرمی کا رویہ اختیار

کرتا۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ ،ضرب کلیم)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حاتم طائی کی بیٹی آتی ہے تو پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا احترام کرتے ہیں کہ وہ ایک سخی کی بیٹی ہے۔ چادر عطا کرتے ہیں۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اسرار خودی میں اس طرف کچھ ایسے اشارہ کیا:

در مصافے پیش آں گردوں سریر
دخترِ سردار طے آمد اسیر

پائے در زنجیر و ہم بے پردہ بود
گردن از شرم و حیا خم کردہ بود
دخترک را چوں نبی بے پردہ دید
چادر خود پیش روے او کشید

ما ازاں خاتونِ طے عریاں تریم
پیش اقوام جہاں بے چادریم

روز محشر اعتبار ماست او
در جہاں ہم پردہ دار ماست او

ترجمہ وتشریح از ڈاکٹر حمید اللہ شاہ صاحب ہاشمی: ایک جنگ میں اس بلند مرتبہ ذات (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

کے سامنے طے قبیلے کے سردار کی بیٹی کو بطور قیدی پیش کیا گیا۔ اس کے پاؤں میں بیڑیاں (زنجیریں) تھیں اور اس کے لئے پردے کا کوئی سامان نہ تھا، بے پردہ بھی تھی۔ شرم وحیا کی وجہ سے اس کی گردن جھکی ہوئی تھی۔ جب نبی ﷺ نے اس لڑکی کو بے پردہ دیکھا تو اپنی چادر مبارک اس کے سر پر ڈال دی۔ ہم قبیلہ طے کی اس خاتون سے بھی زیادہ عریاں ہیں۔ دنیا کی قوموں کے سامنے بے چادر (بے عزت) ہیں۔ قیامت کے روز حضور اکرم ﷺ ہماری آبرو اور عزت ہیں۔ دنیا میں بھی حضور اکرم ﷺ ہمارے پردہ دار ہیں۔

آج رحمۃ اللعالمین ﷺ کی نواسیوں کی چادریں چھینی جا رہی ہیں۔ آج نبی ﷺ کے گھرانے پر ہر ظلم روا رکھا جا رہا ہے۔ جنت کے جوانوں کے سردار کو باغی کہا جا رہا ہے۔ آلِ نبی ﷺ پر آب و دانہ بند کیا جا رہا ہے۔ ہائے رے مسلمانی! کل یومِ محشر حسین رضی اللہ عنہ کے ذکر سے چڑنے والے اور یزید کی وکالت کرنے والے حسین رضی اللہ عنہ کے نانا ﷺ کو کیا منہ دکھائیں گے۔

کلامِ نصیر

اللہ، اہلِ بیتِ پیمبر ﷺ کے ساتھ ہے
اسلام کا وقار اسی گھر کے ساتھ ہے

جو شخص نورِ دیدۂ حیدر رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے
روزِ جزا وہ شافعِ محشر ﷺ کے ساتھ ہے

پیاسے نہ ہم رہیں گے محشر میں دیکھنا
اپنا بھی ربط ساقیِ کوثر ﷺ کے ساتھ ہے

رہتا ہے رات دن غمِ ذریتِ رسول ﷺ
سودا شروع سے یہ، میرے سر کے ساتھ ہے

آلِ نبی کو ذاتِ نبی ﷺ سے جدا نہ جان
ہر موج کا وجود سمندر کے ساتھ ہے

وہ اک مکاں کہ جس کا مکیں بابِ علم تھا
اپنا تو رابطہ ہی اسی گھر کے ساتھ ہے

آلِ نبی ﷺ کے درد سے میں بھی جدا نہیں
میرا نصیب، ان کے مقدر کے ساتھ ہے

لاکھوں شقی اُدھر ہیں، اِدھر اک حسین رضی اللہ عنہ ہیں
کانٹوں کی نوک جھونک گلِ تر کے ساتھ ہے

کس پہ کھلے گا معرکۂ کربلا کا راز
یہ وہ معاملہ ہے، جو داور کے ساتھ ہے

تنہا اسی کے نام سے دشمن تھا بدحواس
اب کیا کرے، حسین رضی اللہ عنہ بہتر کے ساتھ ہے

سچ سچ ہو دل میں غم تو بھر آتی ہے آنکھ بھی
اشکوں کا سلسلہ دلِ مضطر کے ساتھ ہے

اس ذاتِ پاک کا ہوں دل وجاں سے میں غلام
دعویٰ غلط نہیں، مگر ڈر کے ساتھ ہے

دشمن کی گفتگو میں کہاں خیر کی جھلک
جو بات ہے شریر کی، اک شر کے ساتھ ہے

بھیجوں یزیدیت پہ نہ کیوں لعنت اے نصیر
یہ دشمنی ہے اور میرے گھر کے ساتھ ہے

(پیر سید نصیر الدین نصیرؒ)

کربلا غمِ خانوادۂ نبوت ﷺ:

کربلا نام ہے غمِ شبیر رضی اللہ عنہ کا۔ کربلا نام ہے غمِ رسالت مآب ﷺ کا۔ یہ علی کرم اللہ وجہہ کا غم ہے، یہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا غم ہے۔ یہ حسن مجتبےٰ رضی اللہ عنہ کا غم ہے۔ یہ غم ہے زینب رضی اللہ عنہا دلگیر کا، یہ آلِ رسول ﷺ کا غم ہے۔ یہ غم خانوادۂ نبوت ﷺ کا ہے۔ یہ غم اور دکھ سادات کا ہے۔ یہ ہر غیور اور دردمند کا غم، دکھ اور درد ہے۔

وہ دل پتھر کے ٹکڑے سے بھی بدتر ہے
جس میں نبی ﷺ کے لاڈلے کا غم نہیں ہوتا

آج ہم فرقہ وارانہ منافرت میں کربلا کی حقانیت کو بھلا بیٹھے ہیں۔ رسولِ اکرم ﷺ اور ان کا خاندان کسی فرقے کی وابستگی سے بالاتر اور مسلم اُمّہ کی یکجہتی کا مرکز ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطی نے خصائص الکبریٰ میں، علامہ ابنِ حجر مکی نے الصواعق المحرقہ میں، علامہ ابنِ کثیر دمشقی نے البدایہ والنھایہ میں، امام حاکم نے المستدرک میں،

علامہ ناصر الدین البانی نے سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ میں، امام ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں، ابونعیم نے دلائل النبوۃ میں، صاحب سر الشہادتین و دیگر ائمہ حدیث و سیر نے اپنی اپنی کتب میں بحوالہ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا، ام الفضل بنت الحارث رضی اللہ عنہا، ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا، حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ، حضرت انس بن حارث رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت یحیٰ حضرمی رضی اللہ عنہ وغیرھم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے احادیث بیان کی ہیں۔ احادیث کی ان کتب میں اس حوالے سے بیسیوں احادیث موجود ہیں (ابھی کربلا کا معرکہ ظہور پذیر نہیں ہوا تھا) کہ جب حسین رضی اللہ عنہ اس دنیا میں تشریف لاتے ہیں۔ سرکار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو اپنے ہاتھوں میں اٹھاتے ہیں، جبرائیل علیہ السلام آکر خبر دیتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ بیٹا کربلا میں بھوکا پیاسا شہید کر دیا جائے گا، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی چشمان مبارک سے آنسو رواں ہیں اور ریش مبارک آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہے۔ جبرائیل علیہ السلام مقتلِ حسین رضی اللہ عنہ کی مٹی لا کر دیتے ہیں، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے حوالے کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ جس دن یہ مٹی خون میں تبدیل ہو جائے تو سمجھ لینا کہ میرا نواسہ کربلا میں پیاسا شہید کر دیا گیا ہے۔ کُتب حدیث و سیر میں عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ اور اُم المومنین اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے وہ خواب موجود ہیں، جس میں ۱۰ محرم الحرام ۶۱ ہجری کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں کو خواب میں پریشان حال نظر آتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک اور ریش مبارک گرد آلود ہیں، بال بکھرے ہوئے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ایک شیشی ہے جس میں خون نظر آرہا ہے۔ یہ پوچھتے ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہمارے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان یہ کیسا حال ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جواب دیتے ہیں کہ میں صبح سے حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے احباب و انصار کا خون اکٹھا کر رہا ہوں۔ اُم سلمہ رضی اللہ عنہا اٹھ کر دیکھتی ہیں تو ان کے پاس رکھوائی گئی مٹی خون میں تبدیل ہو چکی ہوتی ہے۔ اُم المومنین رضی اللہ عنہا غم

واندوہ کے باعث بے ہوش ہو جاتی ہیں۔

ترمذی شریف میں اور امام ذہبی اور امام حاکم سمیت جمیع محدثین نے اپنی کتب حدیث میں بیان کیا ہے کہ عاشورہ ۶۱ ہجری کو رسول اللہ ﷺ کتنے مغموم اور پریشان حال تھے: سلمٰی کہتی ہیں کہ میں اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی دیکھا کہ وہ گریہ و بکا کر رہی ہیں۔ میں نے سوال کیا کیوں رو رہی ہیں، زوجہ رسول ﷺ حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا (ابھی خواب میں) رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ کے سر اور ریش مبارک مٹی سے بھرے ہوئے ہیں۔ میں نے سوال کیا یا رسول اللہ ﷺ! یہ آپ ﷺ کو کیا ہو گیا، آپ ﷺ نے فرمایا: ابھی ابھی حسین رضی اللہ عنہ کو قتل ہوتے دیکھا ہے۔ اسی طرح علامہ جلال الدین سیوطی نے خصائص الکبریٰ میں، علامہ ابن حجر مکی نے الصواعق المحرقہ میں، علامہ ابن کثیر دمشقی نے البدایہ والنھایہ میں، امام ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب اور صاحب سرالشہادتین نے جنگِ صفین سے واپسی پر مولا علی کرم اللہ وجہہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ وہ کربلا سے گزرتے ہیں تو وہاں ٹھہر جاتے ہیں اور فرماتے ہیں اے اباعبداللہ صبر کرنا۔ استفسار پر جنابِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بتاتے ہیں کہ یہ قتل گاہِ حسین رضی اللہ عنہ ہے۔ اور ان کے خیمے لگانے کی جگہ، خون بہنے کی جگہ اور اونٹوں کے بیٹھنے تک کے مقام کی نشاندہی کرتے ہیں اور آپ رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہوتے ہیں۔ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ کے غم میں جنوں اور ملائکہ تک نے گریہ کیا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے خاکِ کربلا کو سونگھا اور فرمایا: اوہ اوہ۔ اس زمین پر ایک جماعت قتل ہو گی اور وہ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔

جنابِ رسول ﷺ اللہ کے فرزند جنابِ ابراہیم رضی اللہ عنہ جب فوت ہوئے تو آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے اس رونے کو بے صبری خیال کرتے ہوئے عرض کیا: یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ بھی روتے ہیں۔

رسولِ اکرم ﷺ نے جواب دیا: یہ بے صبری نہیں (دردِ محبت سے بے اختیار اشک بہنا) یہ تو رحمت ہے۔ مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے۔ کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

ان العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول الا مایرضیٰ ربنا
وانا بفراقك یا ابراھیم لمحزونون.

ترجمہ: بیشک آنکھیں بہہ رہی ہیں اور دل غمگین ہے۔ مگر ہم وہی کہیں گے جس سے ہمارا رب راضی ہو۔ اے ابراہیم ہم تمھاری جدائی سے غمگین ہیں۔

امامِ عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے وہ بیٹے ہیں جن پر حضور ﷺ نے اپنے بیٹے جناب ابراہیم رضی اللہ عنہ کو قربان کیا۔ مشہور واقعہ ہے کہ جناب جبرائیل علیہ السلام آئے اور مصطفےٰ ﷺ سے عرض کی کہ پروردگار کی منشا ہے کہ وہ آپ ﷺ کے دو بیٹوں حسین رضی اللہ عنہ یا ابراہیم رضی اللہ عنہ میں سے ایک کو اٹھا لے جس کا آپ ﷺ چاہیں۔ حضور ﷺ نے سوچا اگر حسین رضی اللہ عنہ کا کہتا ہوں تو میرے ساتھ ساتھ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بھی تکلیف ہوگی اسلئے جناب ابراہیم رضی اللہ عنہ کو حسین رضی اللہ عنہ پر قربان کردیا۔ اب سوچنے کی بات ہے کہ جس بیٹے کو اپنی رضا سے اپنے نواسے پر قربان کیا ان کے فوت ہونے پر رسولِ اکرم ﷺ کتنے غمگین ہیں تو اس نواسے حسین رضی اللہ عنہ پر آپ ﷺ کتنے غمگین ہوئے ہوں گے جس کو آپ ﷺ کی امت کے جفاکاروں نے نہایت بے دردی سے کربلا میں شہید کیا۔

ایک سوال کے جواب میں مولانا اشرف علی صاحب تھانوی فتاویٰ اشرفیہ میں یوں رقمطراز ہیں: فی الحقیقت واقعۂ جانکاہ جناب سید الشہداء حضرت امام حسین رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَعَنْ اَحِبَّائِہٖ وَسَخِطَ عَلٰی قَاتِلِیْہِ وَاَعْدَائِہٖ اس قابل ہے کہ اگر تمام زمین و آسمان وحور و ملک وجن وانس وجمادات ونباتات وحیوانات یہ کہہ کر رو دیں

کہ

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبٌ لَوْ اَنَّھَا　　صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا

تو بھی تھوڑا ہے۔

علامہ اقبالؒ نے اس دکھ کو رموزِ بیخودی میں یوں بیان فرمایا:

اے صبا اے پیک دور افتادگاں
اشکِ ما بر خاک پاک او رساں

ترجمہ: اے صبا (صبح کی ہوا) اے دور افتادہ لوگوں کی قاصد! ہمارے آنسوؤں کا ہدیہ امام حسینؑ کے مرقد مقدس (روضۂ مبارک) پر پہنچا دے۔

علامہ محمد اقبالؒ اس درد کو باقیاتِ اقبال میں یوں بیان فرماتے ہیں:

واسطہ دوں گا اگر لختِ دلِ زہراؑ کا میں
غم میں کیوں کر چھوڑ دیں گے شافع محشر مجھے

ہوں مرید خاندانِ خفتۂ خاکِ نجف
موجِ دریا آپ لے جائے گی ساحل پر مجھے

رونے والا ہوں شہیدِ کربلا کے غم میں
کیا دُرِ مقصد نہ دیں گے ساقیِ کوثر مجھے

دل میں ہے مجھ بے عمل کے داغِ عشقِ اہلِ بیت
ڈھونڈتا پھرتا ہے ظلِ دامنِ حیدرؑ مجھے

غم و آلام کی کیفیات میں تنوع پایا جاتا ہے۔ دکھ اور درد کا احساس، شدت اور تڑپ بھی واقعات کے لحاظ سے مختلف ہے۔ کچھ دل بہت سخت اور بے رحم ہوتے ہیں۔ کسی کے دکھ، درد اور تکلیف سے متاثر نہیں ہوتے۔ پرسوز دل اور نرم خوئی عطائے خداوندی کے ساتھ ساتھ خشیت الٰہی کے حسب مراتب ہے۔ دل میں سوز و گداز اور آنکھ کا پرنم ہونا سعید روح کی علامت ہے اور آنسو تو اللہ کی رحمت ہوتے ہیں جو صرف گداز روح کو حاصل ہوتی ہے۔ کوئی اپنا جب داغِ مفارقت دے جائے تو اس کا دکھ محلے میں کسی جاننے والے کے مرجانے سے کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ جتنا کسی سے قرب اور قلبی تعلق زیادہ ہوگا اتنا ہی اس کے بچھڑنے کا دکھ اور درد زیادہ ہوتا ہے اور یہ عام اصول ہے۔

اگر سن رسیدہ ماں باپ، بھائی، بہن طبعی طور پر اپنی زندگی گزار کر فوت ہو جائیں تو ان کا دکھ نسبتاً کم ہوتا ہے اس موت سے جو کسی ناگہانی آفت، حادثے یا قتلِ ناحق کی صورت میں واقع ہوئی ہو۔ بیٹے کو ماں کے فوت ہونے کا اتنا دکھ نہیں ہوتا جتنا ماں کو بیٹے کے مرنے کا ہوتا ہے۔ اور ماں شاید زندگی کے کسی لمحے اس دکھ کو نہ بھول پائے، اگر اس کا جوان یا کمسن بیٹا انتہائی مظلومیت کے عالم میں مار دیا جائے۔ اور اس درد و کرب، دکھ و الم اور غم و اندوہ کی کیا کیفیت ہوگی اگر ایک ماں کے سامنے اس کے بیٹے، بھتیجے، بھائی اور ایک گھر کے درجنوں افراد کو مار دیا جائے۔ دکھ، درد اور غم کیفیات، حالات اور واقعات کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں۔ گروہِ انبیاء علیہم السلام میں جناب یحییٰ علیہ السلام کی مظلومانہ شہادت کا اثر کہیں زیادہ نظر آتا ہے بعینہٖ امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ، آپ کے بھائیوں، بیٹوں، بھتیجوں، بھانجوں اور رفقائے کار کی مظلومانہ شہادت کا قلوب و ارواحِ انسانی پر جو اثر ہے اس کی مثال نہیں ملتی۔

کربلا قربان گاہِ شہزادگانِ بنی ہاشم:

کربلا بنی ہاشم کے شہزادوں کی قربانیوں کا نام ہے۔یہ بنی عبدالمطلب کی قربانیاں ہیں۔کربلا میں آلِ ابوطالب اپنے خون سے چمنستانِ اسلام کی آبیاری کرتے نظر آتے ہیں۔کربلا میں علی ابنِ ابی طالب علیہ السلام کے ۶ بیٹے بشمول امامِ عالی مقام امام حسین علیہ السلام جامِ شہادت نوش کرتے ہیں۔ جنابِ علی المرتضیٰ علیہ السلام کے ۵ بیٹے جو سیدہ ام البنین علیہا السلام کے بطن سے ہیں اور جنابِ عباس علمدار علیہ السلام کے ۴ بھائی کربلا میں شہید ہوئے۔ جنابِ حسن مجتبےٰ علیہ السلام کے فرزند جنابِ قاسم اپنے ۴ دیگر بھائیوں کے ساتھ دادِ شجاعت دیتے ہوئے شہید ہوتے ہیں۔امام حسین علیہ السلام کے جوان بیٹے جنابِ علی اکبراور چھ ماہ کے شیر خوار علی اصغر یزیدیت کا مکروہ چہرہ دنیا پر آشکار کرتے ہوئے اپنی جان دے دیتے ہیں۔کربلا میں عقیل ابنِ ابی طالب علیہ السلام کی اولاد ناموسِ اسلام پر کٹ مرتی ہے۔مسلم بن عقیل علیہ السلام امام حسین علیہ السلام کے سفیر کی حیثیت سے کوفہ میں شہید کردیئے جاتے ہیں۔مسلم بن عقیل علیہ السلام کی شہادت کے بعد ان کے دونوں بیٹوں محمد و ابراہیم کو دردناک طریقے سے شہید کردیا جاتا ہے۔یہ دونوں بیٹے مسلم بن عقیل علیہ السلام کے ساتھ کوفہ گئے تھے۔کربلا میں مسلم بن عقیل علیہ السلام کے ۳ بھائی اور ایک بیٹا راہِ حق میں قربان ہو جاتے ہیں۔جعفر ابنِ ابی طالب علیہ السلام جن کو ذوالجناحین (دو پروں والا) کا شرف حاصل ہے، کے ۲ پوتے جو علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے نواسے بھی ہیں، سیدہ زینب بنتِ علی علیہا السلام اور جنابِ عبداللہ بن جعفرِ طیار علیہ السلام کے لختِ جگر عون اور محمد امام حسین علیہ السلام پر اپنی جان قربان کردیتے ہیں۔

یوں کربلا کے ۷۲ شہداء میں سے آلِ ابی طالب کے ۲۸ سے ۳۲ جوان و بچے حسینیت پر قربان ہو جاتے ہیں۔کربلا کے معرکے میں شہدائے آلِ ابوطالب کی سب

سے کم بیان کردہ تعداد ۱۸ ہے۔ اور باقی جو خواتین اور بچے ہیں وہ حالتِ اسیری میں کربلا سے کوفہ، کوفہ سے دمشق اور دمشق سے مدینہ کے سفر میں اپنے پیاروں کی شہادتوں کا غم لئے اپنے نانا کی امت کی جفا کے ستم دیکھتے ہیں۔ یہ سارے افراد جنابِ حمزہ رضی اللہ عنہ کا افتخار اور خانوادۂ نبوی ﷺ کے پھول اور درخشندہ ستارے ہیں۔ یہ اس خاندان کے افراد ہیں، جن کی وجہ سے دنیا جہالت اور گمراہی کی تاریکیوں سے نکل کر ہدایت کے نُور سے منور ہوئی۔

یہ وہ خاندان ہے جس کے بارے میں صحیح احادیث میں بشمول صحیح مسلم روایت کیا گیا: سرکارِ انبیاء ﷺ سے جنابِ جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ میں نے زمین کے مشارق و مغارب کو کھنگال ڈالا مگر مجھے کوئی خاندان، خاندانِ بنی ہاشم سے افضل نظر نہ آیا اور کوئی شخص آپ ﷺ سے افضل نہیں دیکھا۔ یہ اسی خاندان کے افراد ہیں کہ جن کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں سورۃ شوریٰ میں ارشاد فرمایا: اے حبیب ﷺ کہہ دیجئے کہ میں کارِ رسالت پر تم سے کوئی اجر نہیں مانگتا مگر اپنے قرابت داروں کی محبت۔ غزوہ حنین میں جب بھگدڑ مچ گئی اور لوگوں نے میدان چھوڑ دیا تو سرکارِ انبیاء ﷺ نے اپنے دادا سردارِ بطحا جنابِ عبدالمطلب پر یوں افتخار کا اظہار کیا:

اے اصحابِ شجرہ واپس آؤ، اے اصحابِ بدر واپس آؤ!

أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ

میں جھوٹا نبی نہیں ہوں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

سلام بنی ہاشم رضی اللہ عنہم کے شہیدو! سلام بنی عبدالمطلب کے سپوتو! سلام آلِ ابی طالب کے جانثارو! سلام آلِ علی ابنِ ابی طالب کے بہادرو! سلام آلِ عقیل ابنِ ابی طالب رضی اللہ عنہ کے مجاہدو! سلام آلِ جعفر ابنِ ابی طالب رضی اللہ عنہ کے جگمگاتے ستارو! سلام اے راہِ حق کے شہیدو!

کربلا کے سفیر مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ:

حضرت مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو سفیر امام حسین رضی اللہ عنہ بھی کہا جاتا ہے۔ آپ امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کے چچا عقیل ابنِ ابی طالب رضی اللہ عنہ کے فرزند ہیں۔ جب یزید کی طرف سے بیعت کا مطالبہ کیا گیا تو امتِ مسلمہ پر ایک کڑا وقت آ پہنچا۔ یزید فاسق، فاجر، شرابی، نمازوں کو چھوڑنے والا، محارم کو حلال کرنے والا، ملوکیت کا نمائندہ ولی عہد نامزد ہوا، جو سنتِ قیصری تھی اور سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے متحارب اور دین میں ایک بدعتِ کبریٰ تھی۔ اب امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ جو جنت کے جوانوں کے سردار ہیں، نے باقی لوگوں کے برعکس رخصت کی بجائے عزیمت کا راستہ اختیار کیا۔ روزِ ازل سے کربلا کا امتحان طے ہو چکا تھا۔ کربلا نے ایک عظیم حادثۂ فاجعہ کی شکل میں ظہور پذیر ہونا تھا مگر کربلا محض ایک اتفاقی حادثہ نہیں بلکہ اس کے محرکات کے دور رس نتائج امت مسلمہ پر مرتب ہونے تھے۔ جن حالات کے نتیجے میں کربلا کا واقعہ پیش آیا، ان کو دنیا کے سامنے لانا ضروری تھا۔ آدم علیہ السلام سے لیکر سرکار ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم تک کسی نبی زادے کے ہاں عزیمت کا ایسا نمونہ نظر نہیں آتا۔ الغرض امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کوفیوں کی طرف سے لکھے گئے خطوط کے جواب میں مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو اپنا سفیر اور نائب بنا کر حالات کا جائزہ لینے کے لئے کوفہ روانہ کرتے ہیں۔

مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ اپنے دو بیٹوں محمد اور ابراہیم کے ہمراہ حکمِ امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ پر کوفہ پہنچتے ہیں۔ آپ کا فقید المثال استقبال کیا جاتا ہے۔ لوگ جوق در جوق آ کر مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔ اپنی محبت اور جانثاری کا یقین دلاتے ہیں۔ کوفہ میں یزید کے حامیوں کو گوارا نہیں ہوتا، عبداللہ بن مسلم اور عمارہ بن ولید ساری صورتحال یزید کو لکھ بھیجتے ہیں۔ نعمان بن بشیر شامی حکومت کی طرف سے کوفہ

کے گورنر ہیں۔ یزید کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ کس طرح نعمان بن بشیر کی طرف سے مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کے معاملے میں تساہل سے کام لیا جا رہا ہے اور ان سے کوئی تعرض نہیں کیا جا رہا۔ یزید سرجون مسیحی سے مشورے کے بعد عبیداللہ ابنِ زیاد جو بصرہ کا گورنر تھا، کوفہ کا گورنر بھی بنا دیتا ہے۔ نعمان بن بشیر کو معزول کر دیا جاتا ہے۔ عبیداللہ ابنِ زیاد اپنے باپ زیاد کی طرح شقاوت اور درشتگی میں بدنامِ زمانہ تھا، کوفہ کی گورنری کا پروانہ لے کر حیلے اور مکر سے بغیر کسی رکاوٹ کے کوفہ میں داخل ہوتا ہے۔ عبیداللہ ابنِ زیاد قصرِ امارہ میں سردارانِ کوفہ کو طلب کرتا ہے۔ محمد ابنِ اشعث، شبث بن ربعی، شمر ذی الجوشن، عمر ابنِ سعد سمیت دیگر سردارانِ کوفہ کو ڈرا دھمکا کر اور لالچ دے کر اپنے ساتھ کر لیتا ہے۔

کوفہ میں سنگین ترین اور بے رحم مارشل لاء نافذ کر دیا جاتا ہے۔ یعنی فوجی اور جنگی قانون، جو بالکل اندھا اور بہرہ ہوتا ہے، جس میں ہر باہر نکلنے والے کو جان سے مار دیا جاتا ہے۔ پورے کوفہ میں منادی کرائی جاتی ہے کہ مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو پناہ دینے والے کا گھر اور کنبہ برباد کر دیا جائے گا۔ مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ صحابیٔ رسول ہانی بن عروہ رضی اللہ عنہ کے گھر منتقل ہو جاتے ہیں۔ بصرہ کا ایک سردار شریک بن اعور اسلمی محبِ اہل بیت تھا، وہ بھی ہانی بن عروہ مذحجی رضی اللہ عنہ کے گھر آ جاتا ہے۔ ابنِ زیاد شریک کی عیادت کے لئے ہانی کے گھر آتا ہے۔ مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ گھر میں چھپ جاتے ہیں اور ان کے پاس موقع ہوتا ہے کہ ابنِ زیاد کا کام تمام کر دیں لیکن اپنے میزبان ہانی رضی اللہ عنہ کی میزبانی کا حیا ان کو قتلِ ابنِ زیاد سے روک لیتا ہے۔ ابنِ زیاد کو جاسوس کے ذریعے پتا چل جاتا ہے کہ مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ ہانی کے گھر میں موجود ہیں۔ ہانی رضی اللہ عنہ کو دارالامارہ طلب کر کے ان پر تشدد کیا جاتا ہے۔ مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ ۴ ہزار لوگوں کے ساتھ دارالامارہ کا محاصرہ کر لیتے ہیں۔ موقع تھا کہ دشمن کا صفایا کر دیتے لیکن خونِ ناحق بہانا جب تک اس کا کوئی شرعی جواز نہ ہو، حرام سمجھتے ہیں۔ دارالامارہ میں ابنِ زیاد کے پاس محض چند سو افراد

ہیں۔ بڑی آسانی سے دارالامارہ پر قبضہ کیا جا سکتا تھا۔لیکن ان کا مقصد دارالامارہ پر قبضہ کرنا نہیں بلکہ ہانی بن عروہ کو آزاد کرانا تھا۔ سردارانِ کوفہ اپنا دین اور ضمیر فروخت کر چکے ہیں، اور اپنے آپ کو یزید اور ابنِ زیاد کے مکروہ مقاصد کی تکمیل کے لئے پیش کر دیتے ہیں۔ وہ دارالامارہ کی چھت پر آ کر اپنے اپنے قبیلے کے افراد کو ڈرا دھمکا کر واپس بھجوا دیتے ہیں یہاں تک کے مسلم بن عقیلؓ کے ساتھ صرف ۳۰ لوگ رہ جاتے ہیں۔ مغرب کی نماز میں جب مسلم بن عقیلؓ سلام پھیرتے ہیں تو ایک بھی مقتدی نظر نہیں آتا۔

مسلم بن عقیلؓ ایک نیک دل خاتون طوعہ کے گھر پناہ لیتے ہیں جہاں سے طوعہ کا شرابی بیٹا مخبری کر کے مسلم بن عقیلؓ کو بذریعہ عبدالرحمٰن بن محمد ابنِ اشعث سخت مقابلے کے بعد گرفتار کرا دیتا ہے۔ عبیداللہ ابنِ زیاد امام حسینؓ، علی کرم اللہ وجہہ اور عقیل ابنِ ابی طالبؓ کو گالیاں دیتا ہے اور مسلم بن عقیلؓ کو دارالامارہ کی چھت سے گرا کر شہید کر دیا جاتا ہے۔ ہانی بن عروہ کو بازار میں لوگوں کی عبرت کے لئے شہید کر دیا جاتا ہے۔ یزید اور ابنِ زیاد رسول اللہ ﷺ کے گھرانے کی عزت کا لحاظ کرتے ہیں نہ صحابیٔ رسول ﷺ کے مرتبے کا۔ ظلم و ستم کا بازار گرم کر دیا جاتا ہے۔ حارث دنیا کی چند کوڑیوں کے عوض فرزندانِ مسلم بن عقیل، محمد اور ابراہیم کو انتہائی دردناک طریقے سے شہید کر دیتا ہے۔ لیکن جبر و جور کی کہانی رسوا ہو جاتی ہے اور کوفی و شامی طرزِ عمل بدنامی کا داغ لیے دفن ہو جاتا ہے اور امامِ عالی مقامؓ اور ان کے رفقائے کار ہمارے دلوں کی دھڑکن بن جاتے ہیں۔

اسی طرف بالِ جبریل میں علامہ اقبالؒ نے اشارہ کیا:

حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیری
بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی

کربلا شبِ عاشور:

۹ محرم الحرام ۶۱ ہجری جمعرات کے دن عمر ابنِ سعد طبلِ جنگ بجاتا ہے اور اپنے لشکریوں سے کہتا ہے: اللہ کے سپاہیو! جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ عباس ابنِ علی یہ شور سن کر امام عالی مقام کے پاس آتے ہیں اور صورتحال سے آگاہ کرتے ہیں۔ امام عالی مقام بعد از مشاورت، عباس علمدار کو یزیدی لشکر کی طرف روانہ کرتے ہیں کہ جا کر ان سے پوچھو، وہ کیا چاہتے ہیں؟ جناب عباس علمدار ۲۰ سواروں بشمول حبیب ابنِ مظاہر اور زہیر ابنِ قین، یزیدی لشکر کی طرف جاتے ہیں۔ یزیدی لشکر جواب دیتا ہے: ابنِ زیاد کا حکم آیا ہے کہ امیر کی اطاعت کرو ورنہ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ عباس علمدار کہتے ہیں، جلدی نہ کرو میں نواسۂ رسول ﷺ سے پوچھ لوں۔ امام عالی مقام کہتے ہیں انھیں کہو کہ ہمیں ایک رات کی مہلت دو۔ ہم عبادت، تلاوت، دعا اور مناجات کرنا چاہتے ہیں۔ اور کچھ ضروری وصیتیں کر لیں۔ پھر جو فیصلہ ہوگا، کل صبح بتا دیں گے۔ یہ رات شبِ عاشور کہلاتی ہے۔ اہلِ عرفان کہتے ہیں کہ حسین علیہ السلام نے مہلت مانگی نہیں بلکہ یزیدی لشکر کو ایک اور رات کی مہلت دی۔

شبِ عاشور آپ علیہ السلام کی بہن سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کسی پہر امام حسین علیہ السلام کی طرف آتی ہیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ آپ علیہ السلام اپنی تلوار لئے گھٹنوں پر سرِ انور رکھ کر اونگھ رہے ہیں۔ آپ سلام اللہ علیہا امامِ عالی مقام علیہ السلام کے پاس آتی ہیں اور اپنے بھائی کو جگاتی ہیں۔ امام حسین علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے ابھی رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ حسین علیہ السلام تم ہمارے پاس آنے والے ہو۔ سیدہ زینب سلام اللہ علیہا یہ سن کر کہتی ہیں: یا ویلتاہ (ہائے مصیبت)، امامِ عالی مقام بہن کو تسلی دیتے ہوئے صبر کی تلقین کرتے ہیں۔ ہائے کربلا میں وہ شبِ عاشور، آج نبی ﷺ کا کلمہ پڑھنے والے

نبی ﷺ کے لاڈلے نواسے اور ان کی آل کا بے گناہ خون بہانے کے لئے تیاریاں کر رہے ہیں۔ کلمے کی حرمت کا احساس ہے نہ نبی ﷺ کے گھرانے کی عزت و تقدیس کا۔

کربلا میں شبِ عاشور خیامِ حسینی میں ایک عجیب منظر دیکھنے میں آتا ہے۔ امامِ عالی مقام اپنے اصحاب و انصار کو بلاتے ہیں اور ایک خطبہ ارشاد فرماتے ہیں۔ بعد حمد و صلوٰۃ آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں کسی کے ساتھیوں کو اپنے ساتھیوں سے زیادہ وفادار اور بہتر نہیں سمجھتا۔ اور نہ کسی اہلِ بیت کو اپنے اہلِ بیت سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والا اور نیکوکار دیکھتا ہوں۔ سنو! یہ یزیدی صرف میرے خون کے پیاسے ہیں۔ میں تمھیں بخوشی اجازت دیتا ہوں یہاں سے چلے جاؤ۔ میری طرف سے کوئی ملامت نہیں ہے۔ اگر شرم مانع ہے تو میرے اہلِ بیت میں سے ایک ایک آدمی کا ہاتھ پکڑ کر لے جاؤ اور اپنے اپنے شہروں اور قصبوں میں منتشر ہو جاؤ۔ یہ جب مجھے قتل کر لیں گے تو کسی اور کی طلب نہیں کریں گے۔ وفادارانِ امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کا جوش اور جذبہ دیدنی ہے۔ آپ کے بھائی، بیٹے اور بھتیجے بھانجے یک زبان ہو کر کہتے ہیں کہ آپ کے بعد ہمیں جینے کی تمنا نہیں۔ امام رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مسلم کی شہادت کافی ہے، اے برادرانِ مسلم تم چلے جاؤ۔ مگر وہ آپ پر اپنی جان فدا کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اسی طرح باقی اصحابِ حسین رضی اللہ عنہ بشمول مسلم ابنِ عوسجہ، سعد بن عبداللہ، زہیر ابنِ قین اور انس بن حارث رضی اللہ عنہ اپنی اپنی جانثاری اور وفاداری کا بڑے پُر جوش اور بلیغ انداز میں اظہار کرتے ہیں۔ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ چراغ گُل کرنے کا کہتے ہیں کہ شاید میرے سامنے چلے جانے سے ہچکچا رہے ہوں۔ کچھ دیر بعد جب چراغ روشن ہوتا ہے تو ۷۲ چراغ ہائے وفا خیامِ حسینی میں جگمگا رہے ہوتے ہیں۔ کوئی اپنی جگہ سے حرکت بھی نہیں کرتا۔

شبِ عاشور عابدِ بیمار کے پاس ان کی پھوپھی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا بیٹھی ہیں اور

جنابِ جون (ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام) امام حسین علیہ السلام کی تلوار درست کر رہے ہیں۔ امام حسین علیہ السلام کچھ اشعار پڑھتے ہیں جن میں زمانے کی ناپائیداری اور بے وفائی، موت اور فنا ہونے کا ذکر ملتا ہے۔ اشعار کا ترجمہ کچھ اس طرح ہے: میرا وعدۂ رحلت کس قدر قریب آ پہنچا ہے۔ لہذا میں اپنے پروردگار کی تسبیح کرتا ہوں۔ آپ علیہ السلام نے بار بار یہ اشعار پڑھے۔ اگلی صبح قیامتِ صغریٰ برپا ہونے والی تھی۔ سیدہ زینب سلام اللہ علیہا یہ اشعار سن کر ضبط نہ کرسکیں اور بے اختیار روتے ہوئے بیہوش ہو جاتی ہیں۔ جب ہوش آیا تو امامِ عالی مقام علیہ السلام نے کہا: تمام اہلِ زمین مر جائیں گے، اہلِ آسماں بھی باقی نہیں رہیں گے۔ سب نے ایک دن اس دارِ فانی سے کوچ کر جانا ہے۔ روئے زمین پر ایسی رات کبھی دیکھنے میں نہیں آئی۔ خیامِ حسینی میں تمام رات حمدِ باری تعالیٰ، تسبیح وتہلیل، دعا ومناجات، تلاوتِ قرآن اور ذکرِ الٰہی تا صبحِ عاشور جاری رہتا ہے۔ یہ بہت برکتوں والی رات ہے۔

کربلا صبحِ عاشور:

۱۰ محرم الحرام کو کربلا میں جب امام حسین علیہ السلام کے فرزندِ اکبر، علی اکبر نے فجر کی نماز کے لئے اذان دی تو کربلا کے ریگزاروں میں چار سُو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاد تازہ ہوگئی۔ علی اکبر شبیہِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔ صبح عاشور کربلا میں دونوں طرف نمازِ فجر ادا کی گئی۔ ایک طرف حسین علیہ السلام اور آپ کے انصار نماز پڑھ رہے ہیں اور دوسری طرف یزیدی فوج نماز پڑھ رہی ہے۔ یزیدی فوج نماز پڑھ کر نواسۂ رسول کی جان لینے کے در پے ہیں اور حسین علیہ السلام صبر و رضا کے مرحلوں سے ثابت قدمی کے ساتھ گزرنے کا عزم کر رہے ہیں۔

کربلا کا ایک کردار حُر ابنِ یزید ریاحی ہے۔ حُر وہ شخص ہے جو ایک ہزار

یزیدی فوج کا سپہ سالار ہے اور سب سے پہلے امامِ عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کے قافلے کا راستہ روکتا ہے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ حُر سے کہتے ہیں تیری ماں تجھ پر روئے تو کیا چاہتا ہے۔ حُر جواب دیتا ہے کہ اگر آپ کے علاوہ عرب کا کوئی اور شخص یہ بات مجھے کہتا تو میں اس کی بات اسی طرح اس کو لوٹاتا، مگر آپ کو میں اس طرح نہیں کہہ سکتا کیوں کہ آپ کی ماں فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا ہیں۔ امام حسین رضی اللہ عنہ حُر کے لشکریوں اور گھوڑوں کو پانی پلانے کا حکم دیتے ہیں۔ جاںنثار حکمِ امام رضی اللہ عنہ پر مشکیزوں کے منہ کھول دیتے ہیں۔ حر نماز کے وقت امام رضی اللہ عنہ کے پیچھے نمازیں ادا کرتا ہے یہاں تک کہ ۲ محرم کو حُر کے ساتھ امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کربلا پہنچ جاتے ہیں۔ ۳ محرم کو عمر ابن سعد کربلا پہنچتا ہے اور ۲۲ ہزار فوج کی قیادت کرتے ہوئے خانوادۂ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر پانی بند کر دیتا ہے۔ ۷ محرم کو خیامِ حسینی میں پانی ختم ہو جاتا ہے۔ یومِ عاشور جب طبلِ جنگ بجایا جاتا ہے تو امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ لشکرِ اشقیاء کو مخاطب کر کے خطبہ ارشاد فرماتے ہیں: تمہارے لئے میرا خون کس طرح حلال ہوسکتا ہے۔ کیا میں تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نواسہ نہیں ہوں۔ کیا میں ان کے ابنِ عم علی رضی اللہ عنہ کا بیٹا نہیں ہوں۔ کیا حمزہ رضی اللہ عنہ میرے بابا کے چچا نہیں ہیں۔ کیا جعفر طیار رضی اللہ عنہ ذوالجناحین خود میرے چچا نہیں ہیں۔ کیا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میرے اور میرے بھائی حسن رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ نہیں فرمایا تھا کہ حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔ اگر میری بات پر اعتبار نہیں تو تمہارے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم موجود ہیں، جاؤ جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ، ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے جا کر پوچھ لو اور میرا خون اپنے اوپر ہرگز مباح نہ کرو۔ خدا کی قسم! اس وقت روئے زمین پر میرے علاوہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی نواسہ نہیں۔ یہ نہایت بلیغ اور واضح خطبہ تھا، مگر لالچ اور حرص میں ڈوبے ہوئے انسان نما درندوں پر کوئی اثر نہ ہوا سوائے حُر اور اس کے کچھ دوستوں اور بیٹوں کے۔

حُر نے دیکھا کہ امامِ عالی مقام علیہ السلام حجت تمام کر چکے اور کسی طور یہ اشقیاء نواسۂ رسول ﷺ کی جان لینے سے باز آنے والے نہیں۔ حُر کی دنیا میں ایک انقلاب برپا ہو جاتا ہے۔ سعادتیں حُر پر نچھاور ہونے کے لئے مچل رہی ہیں۔ حُر کے جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ حُر کی یہ حالت دیکھ کر اس کے قبیلے کا ایک شخص مہاجر بن اوس پوچھتا ہے: حُر یہ تمہارا کیا حال ہو رہا ہے۔ جب بھی کوئی پوچھتا کہ کوفہ کا سب سے بہادر شخص کون ہے تو میں تمہارا نام لیتا تھا، لیکن آج تمہاری یہ حالت میری سمجھ سے باہر ہے۔ حُر جنت اور دوزخ کے درمیان کھڑا ہے۔ حُر ایک فیصلہ کرتا ہے اور اپنے گھوڑے کو ایڑ لگاتا ہے اور جہنم کو پیچھے چھوڑ کر خدمتِ امامِ عالی مقام علیہ السلام میں آ جاتا ہے۔ حُر نادم ہے اور اپنے قصور کی معافی طلب کرتا ہے۔ کریم آقا حُر کو معاف کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔ جاؤ تم دنیا اور آخرت میں حُر (آزاد) ہو۔ حُر گھوڑے سے نہیں اترتا اور امامِ عالی مقام سے اجازت طلب کر کے یزیدی لشکر کے سامنے جا کر للکارتے ہوئے کہتا ہے: تم نے نواسۂ رسول ﷺ اور ان کے گھرانے پر پانی بند کر دیا۔ تمام انسان فرات سے پانی پئیں، یہودی، نصرانی اور مجوسی پئیں، جنگل کے درندے یہاں تک کہ کتے اور سور پانی پئیں، مگر محمد ﷺ کے لال اور ان کی آل پر تم نے پانی بند کر دیا۔ اب بھی اگر تم نے اپنا رویہ نہ بدلا اور توبہ نہ کی تو خدا کل قیامت میں تمہیں پیاسا ترسائے گا۔ لیکن یزیدی لشکر پر حُر کی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا، وہ حُر پر تیر برسانا شروع کر دیتے ہیں۔ حُر متعدد یزیدیوں کو واصلِ جہنم کرنے کے بعد اپنی جان نبی ﷺ کے نواسے پر وار دیتے ہیں۔ سیدنا حُر ابنِ یزید ریاحی کتنے خوش نصیب ہیں کہ عین آخری لمحات میں جہنم سے جنت کا فیصلہ کرتے ہوئے ساقیٔ کوثر کے پاس حوضِ کوثر پر پہنچ جاتے ہیں۔

کربلا کے حُر تمہیں سلام

سلام اے حُرِ حسین علیہ السلام

علمدارِ کربلا:

جنابِ عباس ابن علی ابن ابی طالب علیہ السلام کو قمرِ بنی ہاشم کہا جاتا ہے۔ آپ کا لقب سقائے اہلِ بیت بھی ہے۔ آپ علمدار لشکر حسینی ہیں۔ جنابِ عباس علمدار ۲۶ ہجری میں سیدہ ام البنین کے بطن سے پیدا ہوئے۔ سیدہ فاطمہ علیہا السلام کی رحلت کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اپنے بڑے بھائی جنابِ عقیل علیہ السلام سے کہا کہ عرب کے کسی بہادر خاندان سے ان کے لئے رشتہ دیکھیں۔ جنابِ عقیل علیہ السلام علم الانساب کے ماہر تھے۔ آپ نے اپنے بھائی علی کرم اللہ وجہہ کے لئے سیدہ ام البنین کا رشتہ تجویز کیا، یوں سیدہ ام البنین کو مولا علی کرم اللہ وجہہ کا شرف زوجیت حاصل ہوا۔ جنابِ عباس علمدار نے ۱۴ سال اپنے والد جنابِ علی المرتضیٰ علیہ السلام کے ساتھ گزارے۔ پھر ۱۰ سال بڑے بھائی جنابِ حسن مجتبےٰ علیہ السلام کے ساتھ اور آخری ۱۰ سال امامِ عالی مقام امام حسین علیہ السلام کے ساتھ بسر کیے۔ کربلا میں آپ کی عمر مبارک ۳۴ سال تھی۔ کربلا میں عباس ابنِ علی اور علی اکبر ابن الحسین علیہما السلام ہر وقت امامِ عالی مقام علیہ السلام کے ساتھ ساتھ سائے کی طرح رہتے مبادا کوئی دشمن آپ کو گزند پہنچائے۔ بنی ہاشم کے یہ دونوں شہزادے امام حسین علیہ السلام کی بے مثال طاقت اور قوت تھے۔ عباس ابنِ علی علیہ السلام شجاعت اور بہادری کے باب میں اپنے بابا حیدرِ کرار علیہ السلام کے پرتو ہیں۔ عباس علمدار علیہ السلام کے رعب اور دبدبے سے یزیدی فوج اچھی طرح واقف تھی، وہ مختلف معرکوں میں نوخیز عباس بن علی علیہ السلام کے بہادری کے قصوں سے خوب آگاہ تھے۔ یزیدی فوج عباس ابنِ علی علیہ السلام سے سخت خوفزدہ تھی۔

جب بھی وفا کا نام آتا ہے، بے ساختہ عباس علمدار علیہ السلام کا خیال آتا ہے۔ وفا کا ذکر عباس علمدار کے بغیر ادھورا ہے۔ ایک طرف جنابِ یوسف علیہ السلام کے سوتیلے بھائی

ہیں جو حسد کی وجہ سے ان کے جانی دشمن بن جاتے ہیں تو دوسری طرف عباس علمدارؑ سمیت ان کے ۴ سگے بھائی ہیں جو اپنے سوتیلے بھائی جناب حسینؑ کو بھائی نہیں بلکہ ہمیشہ آقا و مولا کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے اور کربلا میں اپنی جانثاری اور وفا کے باعث بھائیوں کی وفاداری کے باب میں سرِ فہرست ہیں۔ ہمیشہ حکمِ امامِ عالی مقامؑ میں سرِ تسلیم خم کیا۔ جناب عباس علمدارؑ کی یزیدیوں سے جنگ کرنے کی شدید خواہش تھی مگر آپ کو جنگ کی اجازت نہ ملی۔ شمر ذی الجوشن عباس ابنِ علیؑ اور آپ کے ۴ بھائیوں کے لئے عبید اللہ ابنِ زیاد سے امان نامہ لکھوا کر لایا، مگر آپؑ نے یہ کہہ کر امان مسترد کر دی: جو امان نواسۂ رسول ﷺ کے لئے نہ ہو، میں ایسی امان پر اور تجھ پر لعنت بھیجتا ہوں۔ عباس علمدارؑ وفا کا استعارہ بن گئے۔ عباس علمدارؑ کی وفا اور جانثاری ضرب المثل بن گئی۔

کربلا میں ۷ محرم سے پانی ختم ہے۔ خیامِ حسینیؑ سے بچوں کی العطش (پیاس) کی آوازیں، عباس علمدار کے صبر اور اطاعتِ امام کا امتحان تھیں۔ کربلا کا تپتا ہوا صحرا، عرب کی دھوپ اور ریگِ کربلا کی تپش۔ اللہ اللہ امتحانِ الٰہی تھا، صبر و رضا کی منزلیں طے ہونا تھیں۔ جنت کے جوانوں کے سردار چاہتے تو کوثر اور سلسبیل کی نہریں کربلا کے شہزادوں کی پیاس بجھا دیتیں۔ ابرِ کرم صحرا کو جل تھل کر دیتا۔ مگر کربلا کے امتحان سے گزرنا تھا۔ ہر نبی مستجاب الدعوۃ ہوتا ہے۔ چاہتے تو مصیبت ٹل سکتی تھی۔ حسینؑ کے نانا رسولِ محتشم ﷺ نے اس امتحان کے ملتوی ہونے کی دعا کی نہ آپ کے بابا علی المرتضےٰؑ نے، سیدہ فاطمہؑ نے دعا کی نہ آپ کے بھائی حسن مجتبےٰؑ نے، امام حسینؑ نے خود بھی اس امتحان کو ملتوی کرنے کی دعا کبھی نہیں کی، ان پانچ ہستیوں کی دعاؤں میں کتنا اثر ہے اگر کوئی نہیں جانتا تو سورۃ آلِ عمران کی ۶۱ نمبر آیتِ مباہلہ کی تفسیر پڑھ لے۔ اور عیسائیوں کے لاٹ پادری کا بیان سن لے۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ.

ترجمہ: پس جو کوئی آپ سے جھگڑا کرے اس میں بعد اس کے کہ آجائے آپ کے پاس علم تو اے حبیب ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹوں کو اور تم بلاؤ اپنے بیٹوں کو، ہم بلائیں اپنی عورتوں کو اور تم بلاؤ اپنی عورتوں کو اور ہم بلائیں اپنے نفسوں کو اور تم بلاؤ اپنے نفسوں کو پھر ہم مباہلہ کریں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت بھیجیں۔

واقعہ کچھ اسطرح ہے کہ نجران سے عیسائیوں کا ایک وفد ۱۰ ہجری میں مدینہ منورہ آکر مسجد نبوی میں حضور ﷺ کے ساتھ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے پر مباحثہ کرتا ہے۔ حضور ﷺ اس کی نفی کرتے ہیں اور دلائل کا یہ سلسلہ دونوں اطراف سے کچھ دنوں تک چلتا ہے۔ عیسائی وفد کسی بھی دلیل کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ پروردگار عالم جلال میں آکر آیتِ مباہلہ نازل کرتا ہے۔ حضور ﷺ خالصتاً توحید کے معاملے پر عیسائیوں سے مباہلے کے لئے کچھ اس شان کے ساتھ گھر سے نکلتے ہیں کہ آپ ﷺ نے امام حسین رضی اللہ عنہ کو اپنے بائیں طرف اٹھایا ہوا ہے، دائیں ہاتھ سے حسن مجتبےٰ رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اپنی انگلی مبارکہ سے پکڑا ہوا ہے، پیچھے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا چلی آرہی ہیں اور ان سے پیچھے علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ چل رہے ہیں، یوں یہ پانچ نفوسِ قدسیہ مباہلے کے لئے میدان کی طرف بڑھتے ہیں۔ عیسائیوں کا لاٹ پادری جب دیکھتا ہے تو کہتا ہے: اے گروہِ نجران میں ایسے نورانی چہروں کو دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ دعا کریں تو پہاڑ اپنی جگہ تبدیل کر کے دوسری جگہ منتقل ہو جائیں۔ ان سے مباہلہ نہ کرنا ورنہ قیامت تک روئے

زمین پر کوئی نصرانی نہیں رہے گا۔ وہ آئے اور معافی طلب کر کے جزیہ دینے کے وعدے پر مباہلے سے راہِ فرار اختیار کر گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا اگر وہ مباہلہ کرتے تو یہ وادی آگ بن کر ان کے اوپر برستی اور ان کے انڈے بچے سب ہلاک ہو جاتے۔

ان کی دعاؤں کی قبولیت کے متعدد دیگر واقعات کتب میں موجود ہیں۔

نبی اکرم ﷺ کے نواسے حسن ؓ اور حسین ؓ بہت ناز و نعم سے پلے تھے۔ اللہ کے رسول ﷺ اپنے لاڈلے نواسوں کا حد درجہ خیال رکھتے تھے۔ حسنین ؓ اگر ذرا سا بھی پیاسے ہوتے تو نبیوں کے سردار ﷺ خود اپنی زبان چوسا کر ان کی پیاس بجھاتے۔

سیدہ شہربانو بنت یزدجرد بن شہریار کے لئے جب شہزادے کا انتخاب کیا جاتا ہے تو سب کی نگاہیں امام عالی مقام امام حسین ؓ پر آ کر ٹھہرتی ہیں۔ حضرت عمر فاروق ؓ کو جب مالِ غنیمت میں حسنین ؓ کے شایانِ شان کپڑے نہیں ملتے تو خاص طور پر تیز رفتار قاصد یمن کی طرف دوڑاتے ہیں جو عمدہ کپڑے عمر فاروق ؓ کو لا کر دیتا ہے۔ جب حسنین ؓ وہ کپڑے زیب تن کرتے ہیں تو عمر فاروق ؓ کا دل ٹھنڈا ہوتا ہے۔

جنابِ اسماعیل ؑ کی ایڑیوں سے نکلا ہوا پانی زم زم بن جاتا ہے اور یہ آب پوری دنیا کے حاجیوں اور معتمرین کو ۴۰۰۰ سال سے سیراب کر رہا ہے۔ امامِ عالی مقام ؓ کے لئے پانی کیسے بند ہو سکتا تھا مگر مقامِ صبر و رضا ہے۔ امتحان کی گھڑی ہے۔

یومِ عاشور جنابِ عباس ابنِ علی ؓ امامِ عالی مقام ؓ سے جنگ کی اجازت طلب کرتے ہیں۔ امام حسین ؓ فرماتے ہیں سکینہ اور علی اصغر پیاس سے بے حال ہیں۔ یہ سننا تھا کہ عباسِ دلاور خیموں کی طرف جاتے ہیں، مشکیزہ اٹھاتے ہیں اور پانی لانے کے لئے فرات کی طرف بڑھتے ہیں۔ بہن سیدہ زینب ؓ کے چہرے کا رنگ اُڑ جاتا ہے اور کہتی ہیں وہاں فولاد میں ڈوبی فوج ہے۔ حیدر کا شیر جواب دیتا ہے کہ بہن پریشان نہ ہو! کیا تمہارے بھائی کے ہاتھ میں تلوار نہیں ہے۔ عباس علمدار ؓ

جب فرات کے قریب پہنچتے ہیں تو ۵۰۰ سوار نہرِ فرات پر پانی روکنے کے لئے متعین ہیں۔ شمر ذی الجوشن اور شبث بن ربعی کہتے ہیں کہ تمام روئے زمین پانی ہو جائے پھر بھی حسین رضی اللہ عنہ تک پانی نہیں پہنچنے دیں گے۔ عباس علمدار رضی اللہ عنہ نہرِ فرات پر پہنچ کر مشک بھر لیتے ہیں اور مشکیزے کو بائیں بازو کے ساتھ لٹکاتے ہیں۔ یزیدی فوج مقابل آتی ہے اور آپ کشتوں کے پشتے لگا دیتے ہیں۔ فرات کا پانی لہو سے سرخ ہو جاتا ہے۔ زرارہ نامی لعین عباسِ علمدار رضی اللہ عنہ کا بایاں بازو قلم کر دیتا ہے۔ آپ مشکیزہ دائیں بازو پر لٹکاتے ہیں اور اسی ہاتھ سے تلوار چلاتے ہیں۔ نوفل بن الارزق دایاں بازو بھی کاٹ دیتا ہے۔ مشکیزے کا تسمہ منہ میں لیے خیامِ حسینی کی طرف بڑھتے ہیں۔ ہر طرف سے تیر آتے ہیں، مشک سے پانی بہہ نکلتا ہے اور آپ کو شہید کر دیا جاتا ہے۔ کربلا میں عباس علمدار رضی اللہ عنہ اور آپ کے دیگر ۴ بھائیوں نے اپنی جان نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کر دی۔

جانثارانِ کربلا عبداللہ بن عمیر کلبی:

عبداللہ بن عمیر کلبی کوفہ میں بنی ہمدان کے کنویں کے پاس رہائش پذیر تھے۔ محرم ۶۱ ہجری میں یزیدی لشکر کوفہ سے کربلا کی طرف جا رہا تھا۔ جب آپ کو اس بات کا علم ہوا کہ یہ تلواروں، تیروں، نیزوں اور برچھیوں سے لیس لشکر نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اہلِ بیت کے قتلِ ناحق کے لئے کربلا کی طرف جا رہے ہیں اور یہ آلاتِ حرب حسین رضی اللہ عنہ کا خونِ مقدس بہانے کے لئے تیز کئے جا رہے ہیں۔ تو آپ نصرتِ امام حسین رضی اللہ عنہ کا فیصلہ کرتے ہیں۔ اپنے گھر جا کر اس بات کا ذکر کرتے ہیں اور گھر والوں کو اپنے فیصلے سے آگاہ کرتے ہیں۔ آپ کی زوجہ، ماں، بیٹا اور بہو بھی کربلا جانے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ عبداللہ اپنے خاندان سمیت کربلا پہنچ کر لشکرِ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ

میں شامل ہو جاتے ہیں۔ ۱۰ محرم کو جب حسین علیہ السلام پر جنگ مسلط کر دی جاتی ہے تو آپ سب سے پہلے اذنِ امام کے ساتھ رن میں نکلتے ہیں۔ بہادری سے لڑتے ہوئے ابنِ زیاد کے آزاد کردہ غلام سالم اور زیاد کے آزاد کردہ غلام یسار کو موت کے گھاٹ اتارتے ہیں۔ یہ دیکھ کر لشکرِ اعداء سے یکبارگی حملہ کیا جاتا ہے۔ آپ کی زوجہ امِ وہب خیمے کی چوب اکھاڑ کر آپ کی طرف ان الفاظ کے ساتھ بڑھتی ہیں: میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں، اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے لڑتے جاؤ۔ ہر طرف سے حملہ کیا جاتا ہے اور آپ لڑتے لڑتے راہِ حق میں قربان ہو جاتے ہیں۔ امِ وہب کو امام عالی مقام یہ کہہ کر خیمے میں واپس بلا لیتے ہیں کہ عورتوں پر جنگ واجب نہیں۔

عبداللہ بن عمیر کلبی کی شہادت کے بعد آپ کے فرزند وہب اپنی ماں اور بیوی سے رخصت ہو کر عازمِ جنگ ہوتے ہیں۔ وہب کی شادی کو ابھی صرف ۱۷ دن ہوئے تھے۔ آپ اپنی زندگی کو امام حسین علیہ السلام پر قربان کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ جنابِ وہب کی زوجہ خود اپنے شوہر کو اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قربان ہونے کے لیئے رخصت کرتی ہے باوجودیکہ وہ ایک نو بیاہتی دلہن ہے۔ اسے ازدواجی زندگی کی فکر ہے نہ شوہر سے بچھڑنے کا رنج۔ خوش ہے تو بس نصرتِ امام حسین علیہ السلام پر۔ کتنے خوش نصیب ہیں جنابِ عبداللہ بن عمیر کلبی جنھیں ایسا گھرانہ ملا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھرانے پر اپنے آپ کو نثار کر گیا۔ ایک طرف عبداللہ بن عمیر کلبی ہیں جو اپنا گھرانہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھرانے پر قربان کرتے ہیں اور دوسری طرف شامی فوج جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھرانے پر ظلم و جور روا رکھے ہوئے ہے۔

ہر انسان کا نصیب، اس کی سوچ، زندگی، منزل، فکر، محبت، کردار، طرزِ عمل، ایمان اور نسبت اپنے قریبی رشتہ داروں سے مختلف ہے۔ ماں بیٹے سے مختلف، باپ بیٹے سے جدا، بیٹا باپ سے الگ۔ بیوی شوہر سے، بھائی بھائی سے اور دوست دوست

سے جُدا نظریات، خیالات اور احساسات رکھتا ہے۔ کربلا کے منظر نامے میں اگر ہم اس حقیقت کو دیکھیں تو پتا چلتا ہے کہ ماں اگر طوعہ ہے تو اس کا کردار اس کے بیٹے سے یکسر مختلف ہے۔ ماں آلِ رسول ﷺ کی محبت سے سرشار ہے تو بیٹا حُبِ دنیا میں گرفتار۔ ماں مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ کو پناہ دیتی ہے تو بیٹا انعام کی لالچ میں ابنِ زیاد کے سپاہیوں کو مخبری کر دیتا ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں اور اسلام کی طرف سے جب پہلا تیر پھینکتے ہیں تو پیغمبرِ اکرم ﷺ فرماتے ہیں: میرے ماں باپ تم پر فدا (قربان) ہوں۔ ان کا بیٹا عمر حکومتِ رے کے لالچ میں یزیدی فوج کی طرف سے نواسہ رسول ﷺ، امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف تیر پھینک کر جنگ کا آغاز کرتا ہے۔ عمر ابنِ سعد ۲۲ ہزار یزیدی فوج کو گواہ بناتا ہے تاکہ ابنِ زیاد اور یزید تک یہ خبر پہنچ جائے کہ لشکرِ یزید سے پہلا تیر امام حسین رضی اللہ عنہ کی طرف اس نے پھینکا ہے اور وہ انعام سے کہیں محروم نہ ہو جائے۔ باپ اگر یزید ہے تو وہ حرمتِ رسول ﷺ پامال کرنے سے دریغ نہیں کرتا، حرمتِ حرمین الشریفین کی پرواہ نہیں کرتا اور ملعونین کا سردار بن جاتا ہے۔ لیکن جب اس کا تاج وتخت بغیر کسی محنت کے اس کے نیک دل بیٹے معاویہ ثانی کی جھولی میں آ کر گرتا ہے تو وہ اسے ٹھکرا کر ابدی سعادت کا سودا کر لیتا ہے۔ حارث کی بیوی آلِ محمد ﷺ کی محبت میں سرشار ہے اور پسرانِ مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ (محمد و ابراہیم) کی تعظیم وتکریم، خدمت ومحبت میں مگن ہے مگر اس کا ظالم شوہر حارث دنیا کی لالچ میں اندھا ہو کر اپنی بیوی، کنیز، بیٹے اور پسرانِ مسلم بن عقیل رضی اللہ عنہ پر انتہائی ظالمانہ تشدد کرتا ہے اور ان کو بے دردی سے شہید کر دیتا ہے۔ حضرت عمر بن قرظہ انصاری اور علی بن قرظہ انصاری دونوں سگے بھائی ہیں، مگر جناب عمر بن قرظہ انصاری نصرتِ امام حسین رضی اللہ عنہ میں جامِ شہادت نوش کر لیتے ہیں اور ان کا بھائی علی بن قرظہ انصاری لشکرِ یزید میں شامل ہے اور اپنی بربادی کا سودا کیے ہوئے ہے۔ بدبخت ازلی

خولی بن یزید، امام عالی مقام امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ان کا سرِ انور لیکر کوفہ میں اپنے گھر پہنچتا ہے۔ اس کی نیک دل بیوی "نوار" کو جب پتا چلتا ہے کہ یہ سرِ انور نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم امام حسین رضی اللہ عنہ کا ہے تو وہ نیک دل عورت بہت دکھی ہو جاتی ہے۔ وہ اپنے شوہر خولی بن یزید کو لعنت ملامت کرتی ہے اور اس سے ہمیشہ کے لئے لاتعلقی کا اعلان کرتے ہوئے گھر چھوڑ دیتی ہے۔

ایک طرف لشکرِ شام ہے جو خانوادۂ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم پر مظالم کی انتہا کر دیتا ہے اور دوسری طرف اہلِ کتاب کا ایک راہب۔ یزیدی گروہ امام عالی مقام اور ان کے رفقاء کے سر نیزوں پر اٹھائے دمشق کی طرف جا رہا ہے کہ راستے میں ایک دیر (گرجا) آتا ہے۔ یزیدی گروہ رات گزارنے کے لئے گرجے کے پاس رک جاتا ہے۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں: یشربون النبیذ یعنی وہ خرے کا شیرہ پینے لگے اور علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں: وھم یشربون الخمر یعنی وہ شراب پینے لگے۔ اتنے میں ایک لوہے کا قلم نمودار ہوتا ہے اور وہ خون سے یہ شعر لکھتا ہے: اَتَرْجُوْا اُمَّةٌ قَتَلَتْ حُسَیْناً شَفَاعَةَ جَدِّهٖ یَوْمَ الْحِسَابِ یعنی کیا وہ گروہ بھی یہ امید رکھتا ہے جس نے حضرت حسین (رضی اللہ عنہ) کو شہید کیا ہے کہ قیامت کے دن ان کے جدِّ امجد اس گروہ کی شفاعت کریں گے۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ یہ شعر اس گرجے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے سے ۵۰۰ برس پہلے کا لکھا ہوا تھا۔ الغرض اس دیر (گرجا) کے راہب نے کچھ رقم کے عوض سرِ انور یزیدی فوج سے ایک رات کے لئے لے لیا۔ اس پر رقت اور گریہ طاری ہوا۔ قدرت اس پر مہربان ہوئی، آنکھوں سے حجاب اٹھ گئے۔ وہ بے ساختہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا اور ہمیشہ کے لئے گرجا چھوڑ کر اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع و فرمانبرار ہو گیا۔

جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گھرانہ اپنے

گھرانے سے زیادہ عزیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کے گھرانے کے ساتھ مودت کا حکم دیا، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: اپنی اولاد کو تین چیزیں سکھاؤ! اپنے نبی ﷺ سے محبت، اہلِ بیت سے محبت اور قرآن کی قرأت (فیض القدیر، ۱:۲۲۵)۔ کربلا میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرامین اور ناموسِ رسالت کی دھجیاں بکھیری جا رہی ہیں، پھر بھی کچھ لوگ یزید کو بری الذمہ قرار دینے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے نظر آتے ہیں۔ مختلف حیلوں بہانوں سے اس کی طرف داری کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ کل روزِ محشر مقامِ محمود پر حسین رضی اللہ عنہ کے نانا ہوں گے، اور بخاری شریف کی وہ حدیث بھی ذہن میں رہے جس میں پیغمبر اکرم ﷺ نے فرمایا: اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ : تم پھر اسی کے ساتھ ہو گے (اٹھائے جاؤ گے) جس کے ساتھ تمھاری محبت ہے۔

یزید کے طرفداروں کے لئے شاعر نے کیا خوب کہا:

ترے دل میں کیسی گرہ پڑی، تجھے اتنا حسد ہے کیوں
جو نبی کی آنکھ کا نُور ہے، جو علی کی روح کا چین ہے
کبھی دیکھ اپنے خمیر میں، کبھی پوچھ اپنے ضمیر سے
وہ جو مٹ گیا یزید تھا، جو نہ مٹ سکا وہ حسین ہے

(نامعلوم)

کربلا کے سن رسیدہ جانثار:

کربلا کے وفا شعاروں میں کچھ سن رسیدہ انصارانِ حسین رضی اللہ عنہ میں سے بریر ابنِ حضیر ہمدانی کو کوفہ میں سید القراء یعنی قاریوں کا سردار کہا جاتا تھا۔ آپ نہایت متقی بزرگ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھیوں میں سے تھے۔ آپ کا جذبۂ شہادت اور

نصرتِ امام ؓ بے مثال تھا۔ مسلم ابنِ عوسجہ کن رسیدہ محبین اہلِ بیت میں سے تھے۔ شبِ عاشور جب امامِ عالی مقام نے سب انصارانِ حسین ؓ کو چلے جانے کی اجازت دے دی تو مسلم ابنِ عوسجہ یوں گویا ہوتے ہیں: اگر ہم آپ کو چھوڑ کر چلے جائیں تو کل اللہ کو آپ کے ادائے حق کے حوالے سے کیا جواب دیں گے۔ خدا کی قسم اس وقت تک آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا جب تک دشمنوں کے سینے میں اپنے نیزوں کو نہ توڑ ڈالوں اور شمشیر زنی نہ کرلوں۔ خدا کی قسم اگر میرے پاس اسلحہ جنگ نہ بھی ہو تو بھی میں دشمنوں سے پتھروں کے ساتھ لڑتا اور آپ پر نثار ہو جاتا۔ زہیر ابنِ قین مکہ سے حج کی ادائیگی کے بعد واپسی پر راستے میں دعوتِ امام پر آپ سے آملے۔ آپ فرماتے ہیں کہ ایک جنگ کے دوران جناب سلمان فارسی ؓ نے ہمیں نصرتِ امام حسین ؓ کی نصیحت اور تاکید کی تھی۔ شبِ عاشور آپ نے فرمایا: خدا کی قسم میں تو یہی چاہتا ہوں کہ میں قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں ۔ پھر قتل کیا جاؤں اور ایسا ہزار مرتبہ ہو اور آپ کی اور اہلِ بیت کی جان بچالوں۔ حضرت انس بن حارث ؓ کن رسیدہ صحابیِ رسول ﷺ ہیں جو امام حسین ؓ کے ساتھ کربلا گئے اور شہید ہوئے۔ آپ ؓ فرماتے ہیں: میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ میرا یہ بیٹا اس سرزمین پر قتل کر دیا جائے گا جس کو کربلا کہتے ہیں۔ تو تم میں سے جو بھی وہاں موجود ہو اسے چاہیے کہ اس کی مدد کرے۔

یومِ عاشور جب مسلم ابنِ عوسجہ شدید زخمی ہو جاتے ہیں تو حبیب ابنِ مظاہر انھیں جنت کی مبارک دیتے ہوئے کہتے ہیں: اگر مجھے یقین نہ ہوتا کہ تمھارے بعد میں بھی شہید ہو جاؤں گا تو تمھیں ضرور وصیت کا کہتا اور اسے پورا بھی کرتا۔ مسلم ابنِ عوسجہ جواب دیتے ہیں کہ میں تمھیں صرف امام حسین ؓ کے بارے میں وصیت کرتا ہوں۔ تم ان پر اپنی جان قربان کرنا مگر اپنے سامنے انہیں کوئی نقصان نہ پہنچنے دینا۔ جب حصین بن نمیر نے امام حسین ؓ کے بارے میں لاف زنی کی تو حبیب ابنِ مظاہر نے اس کا بھر

پور جواب دیا۔ بے جگری سے لڑے اور شہید ہوئے۔

نافع بن ہلال، عابس بن ابی شعیب شاکری، جناب جون و دیگر جانثارانِ امام دلیری اور سرفروشی کے باب میں اپنی جانثاری کے باعث ممتاز ہو گئے۔ آج گنجِ شہیداں کے باسی، امام حسین رضی اللہ عنہ کے رفقائے کار، احباب و انصار ہماری عقیدتوں اور محبتوں کا محور ہیں۔

گنجِ شہیداں کے باسیو! سلام

کربلا فرزندانِ امام حسین رضی اللہ عنہ:

شگفتہ گلشنِ زہرا رضی اللہ عنہا کا ہر گلِ تر ہے
کسی میں رنگِ علی رضی اللہ عنہ، کسی میں بوئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

(نامعلوم)

امام حسین رضی اللہ عنہ کے بڑے بیٹے علی اکبر ۱۸ سال کے بہت خوبرو شہزادۂ اہلِ بیت ہیں۔ آپ کا چہرہ مبارک اور آواز پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہ تھی اسلئے آپ کو شبیہ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ہمشکلِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے القابات سے یاد کیا جاتا ہے۔ صبحِ عاشور کربلا کے ریگزاروں میں جب شہزادہ علی اکبر کی آواز اذانِ فجر کی صورت میں گونجی تو ہر طرف آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یاد تازہ ہو گئی۔ علی اکبر امامِ عالی مقام رضی اللہ عنہ کی قوت اور جان تھے۔ جب آپ کو اپنے بابا سے جنگ کی اجازت ملی تو آپ یہ رجز پڑھتے ہوئے رن میں اترے: میں حسین ابنِ علی رضی اللہ عنہ کا فرزند ہوں۔ خدا کی قسم ہم ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت اور ان سے قریب تر ہیں۔ میں اس نیزے سے دشمن پر اتنے وار کروں گا کہ نیزے کی انی مڑ جائے گی۔ اس تلوار سے اس وقت تک ضرب لگاؤں گا جب تک یہ ٹوٹ نہ جائے۔ اپنے بابا کی حمایت میں وہ تیغ زنی کروں گا جیسے عربی ہاشمی جوانوں کی تیغ زنی

ہوتی ہے۔

لشکرِ شام پر خوف و ہراس طاری ہے۔ مبارزہ طلبی میں کوئی بھی یزیدی تین دن کے بھوکے پیاسے فرزندِ شبلِ شیرِ خدا کے سامنے آنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ عمر ابنِ سعد، نامی گرامی شامی پہلوانوں کی بزدلی کے بعد طارق بن شیث کو موصل کی حکمرانی کے لالچ میں آمادہ کرتا ہے۔ شہزادہ علی اکبر، طارق بن شیث اور اس کے بیٹوں کو واصلِ جہنم کر دیتے ہیں۔ یہ صورتحال دیکھ کر عمر ابنِ سعد کی جانب سے یکبارگی حملے کا حکم دیا جاتا ہے۔ چاروں اطراف سے حملہ کیا جاتا ہے۔ تیر، نیزے اور پتھر پھینکے جاتے ہیں۔ حصین بن نمیر کا نیزہ آپ کے سینے کے پار ہو جاتا ہے۔ علی اکبر شہید ہو جاتے ہیں۔

صاحبِ اولاد ذرا چشمِ تصور سے کربلا کا منظر تو دیکھیں اور اپنی اولاد کو سامنے رکھ کر غور کریں، باقی سارے رنج و محن ایک طرف، جوان بیٹے کی لاش اٹھانا کس قدر کٹھن کام ہے۔ دوسری طرف ۶ ماہ کے شیر خوار علی اصغر کو دیکھیں، تین دن کے پیاسے بچے کو حرملہ بن کاہل اسدی نے بچے کے وزن سے کئی گنا وزنی تیر جب مارا ہوگا تو چشمِ فلک نے یہ منظر کیسے دیکھا ہوگا۔ تیر علی اصغر کے گلے سے پار ہو کر امام حسین علیہ السلام کے بازو میں پیوست ہو جاتا ہے۔ ایک لمحے کے لئے اس منظر کو سوچیں تو سہی، دل پھٹ جاتا ہے اور کلیجہ منہ کو آتا ہے۔ جس کی اولاد ہو وہ اس درد کو سمجھ سکتا ہے۔ ہماری اولاد کو کانٹا بھی چبھ جائے، تو برداشت نہیں ہوتا۔ یہ امام حسین علیہ السلام کا ہی کام ہے کہ ان سارے آلام و تکالیف کے باوجود ہمت نہیں ہارتے اور امتحان کے مرحلوں سے ثابت قدمی سے گزرے چلے جا رہے ہیں۔

چشمِ فلک نے حسین علیہ السلام جیسے صابر بھی دیکھے اور حرملہ جیسے بدبختِ ازلی بھی۔ حرملہ کی شقاوت پر تو انسانیت شرم سے پانی پانی ہو گئی ہو گی، درندوں نے پناہ مانگی ہو گی۔ لگتا ہے اس کے سینے میں دل کی بجائے سنگِ بربریت ہوگا۔ امام حسین علیہ السلام جب

علی اصغر کی ننھی لاش لے کر خیموں کو لوٹے ہوں گے تو علی اصغر کی ماں سیدہ رباب پر کیا گزری ہوگی۔ اہلِ بیت کی عفت مآب مخدّرات پر کیا گزری ہوگی۔ اُمت کی طرف سے اجرِ رسالت کی بجائے شقاوت اور جفا کاری کے ان واقعات نے گنبدِ خضریٰ کے مکین ﷺ پر کیا اثر چھوڑا ہوگا۔ تاریخ نے شہادت کے واقعات تو بیان کر دیے مگر ان کیفیات کا احساس صرف دردمند دل اور روح ہی کر سکتی ہے۔ یزیدیت ہزارہا فوج اور وسائل کے باوجود ذلیل ہوگئی، انسانیت نے اس سے لاتعلقی کا اظہار کیا۔ جبکہ کربلا میں گنج شہیداں کے باسی ہمارے افتخار کا باعث ہیں۔

کسی نے جب وطن پوچھا تو حضرت نے یوں کہا
مدینے والے کہلاتے تھے، اب ہیں کربلا والے

کربلا عصرِ عاشور:

کربلا میں نبی ﷺ کا نواسہ حسین علیہ السلام اب اکیلا رہ گیا۔ وہ صبحِ عاشور نمازِ فجر کے بعد سے عصرِ عاشور تک اپنے عزیزوں اور جانثاروں کی لاشیں ایک ایک کر کے اٹھاتے اور اپنے خیموں میں لاتے رہے۔ اب لشکرِ حسینی میں کوئی بھی ایسا نہیں جو رن میں جا کر یزیدیوں کو للکارتا۔ امام زین العابدین علیہ السلام، حضرت علی بن حسین علیہ السلام علیل ہیں اور ان کے لئے بغیر سہارے کے کھڑا ہونا دشوار ہے۔ حسین علیہ السلام کیا دیکھتے ہیں کہ ان کا بیمار بیٹا نیزہ ہاتھ میں لئے لرزتے بدن کے ساتھ سخت بخار کے عالم میں عازمِ جنگ ہے۔

امام عالی مقام اپنے بیٹے سے پیار کرتے ہوئے کچھ ضروری وصیتیں کرتے ہیں اور فرماتے ہیں: بیٹا تم سے میری اولاد کا سلسلہ جاری ہونا ہے۔ ابھی تم نے سیدانیوں کے ساتھ سفرِ اسیری طے کرنا ہے۔ نانا جان کے روضے پر پہنچ کر میرا سلام کہنا

اور اماں جان سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور بھائی حسن رضی اللہ عنہ سے میرا اسلام عرض کرنا۔ اپنی دستارِ سید سجاد کے سر پر رکھ کر اپنے خیمے میں جاتے ہیں۔ قبائے مصری زیب تن کرتے ہیں۔ اپنے نانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمامہ سرِ مبارک پر رکھ کر جناب حمزہ رضی اللہ عنہ کی سپر پشت پر باندھتے ہیں۔ بھائی حسنِ مجتبےٰ رضی اللہ عنہ کا پٹکہ کمر پر کس کر اپنے بابا حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی تلوار ذوالفقار ہاتھ میں لیتے ہیں اور خیمے سے باہر آتے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر بیبیوں کا رنگ اُڑ جاتا ہے اور وہ رونے لگتی ہیں۔

وہ حسین رضی اللہ عنہ جن کے ناز بردار نبیوں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ بقول علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ: عباس اور محمد ابنِ حنفیہ ان کے بیٹے ہیں اور حسنین رضی اللہ عنہما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ہیں۔ علی کرم اللہ وجہہ اپنے بیٹوں سے کہا کرتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹوں کی حفاظت میں ہمہ وقت مستعد رہنا۔ محمد ابنِ حنفیہ سے کسی نے صفین کی جنگ کے دوران پوچھا کہ آپ کے بابا علی کرم اللہ وجہہ تمام معرکوں میں آپ کو آگے رکھتے ہیں اور حسنین رضی اللہ عنہما کو پیچھے تو آپ نے جواب دیا: میں علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ ہوں اور حسنین رضی اللہ عنہما رخسار۔ ہاتھوں سے رخسار کی حفاظت کی جاتی ہے۔ صفین کے معرکوں میں محمد ابن حنفیہ کی شجاعت اور بہادری کا بہت شہرہ تھا۔ محمد ابن حنفیہ بنی ہاشم کے شجیع جوان تھے۔ علی کرم اللہ وجہہ کے بیٹوں میں شجاعتِ حیدر کرار کا رنگ نظر آتا تھا۔

می شناسی معنی کرار چیست

ایں مقامے از مقاماتِ علی است

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، مسافر مثنوی)

ترجمہ: کیا تو سمجھتا ہے کہ کرار کے کیا معنی ہیں؟ یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مراتب میں سے ایک مرتبہ ہے۔

بے جرأتِ رندانہ ہر عشق ہے رُوباہی
بازو ہے قوی جس کا وہ عشق یداللّٰہی

(علامہ محمد اقبالؒ، ضربِ کلیم)

خدا نے اس کو دیا ہے شکوہِ سلطانی
کہ اس کے فقر میں ہے حیدری و کرّاری

(علامہ محمد اقبالؒ، ضربِ کلیم)

وہ حسین علیہ السلام جن کی رکاب گردانی (گھوڑے کی رکاب تھام کر انھیں سوار کرانے) کے لئے عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہ اپنے آپ کو پیش کیا کرتے۔ وہ حسین علیہ السلام جن کے گرد وپیش جانثار موجود رہتے۔ علی اکبر اور عباس علمدار سائے کی طرح حکمِ امام کے منتظر ہوتے۔ حبیب ابنِ مظاہر، زہیر ابنِ قین، مسلم ابنِ عوسجہ، بریر بن حضیر ہمدانی و دیگر جانثار دشمنوں کی لاف زنی کا بھرپور طریقے سے جواب دیا کرتے۔ سب شہید ہو گئے اور اب حسین علیہ السلام کا گھوڑا تھام کر بٹھانے والا کوئی موجود نہیں، علی کرم اللہ وجہہ کی بیٹی سیدہ زینب سلام اللہ علیہا یہ منظر دیکھ کر خیمے سے باہر آئیں اور امام حسین علیہ السلام سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا: کیا ہوا جو آج آپ کا کوئی جانثار نہیں بچا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نواسی رکاب گردانی کی خدمت کے لئے حاضر ہے۔ امام حسین علیہ السلام اپنی بہن کو صبر کی تلقین کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ہمارے شفیق نانا تشریف لے گئے۔ پھر ہم نے اپنی ماں کا زخمِ جدائی دیکھا، بابا کے سر کا زخم ۳ روز تک دیکھتے رہے پھر وہ لحد میں جا کر چھپ گئے۔ بھائی حسن مجتبےٰ علیہ السلام کے جگر کے ٹکڑے ہم نے طشت پر اٹھائے۔ اب میرے معاملے میں بھی صبر کرنا۔

عصرِ عاشور امام حسین علیہ السلام اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر لشکرِ شام کی طرف بڑھتے ہیں اور اتمامِ حجت کے لئے ایک بار پھر خطبہ ارشاد فرماتے ہیں اور انھیں نواسۂ

رسول ﷺ کا خون بہانے اور قتلِ ناحق کا بار اٹھانے سے بچانا چاہتے ہیں۔ یزیدیوں نے آلِ محمد ﷺ کو ستایا، پانی بند کیا اور تکالیف دیں اور امام حسین رضی اللہ عنہ ہر موقع پر کوشش کرتے رہے کہ کسی طرح سے نانا کے یہ امتی آبِ کوثر سے محروم نہ ہوں۔ مگر جن کے دل پتھر اور بصیرت سے محروم تھے، ان پر کسی بات کا اثر نہ ہوا۔ چنانچہ آپ کی بات کو قطع کر کے لاف زنی کی گئی۔ اتمامِ حجت ہو چکی۔ مبارزہ طلبی میں شام کے نامی گرامی بہادر تکبر اور غرور لئے ہوئے میدان میں آتے رہے اور تین دن کے بھوکے اور پیاسے امام حسین رضی اللہ عنہ کی ذوالفقار سے کٹتے اور جہنم رسید ہوتے رہے۔

مستند عالم تخلیق میں ہے جس کا جمال
جس کا نانا ﷺ ہے نبی نیّرِ برجِ اجلال
جس کا بابا ہے علی رضی اللہ عنہ شیرِ خدا، ماہِ کمال
ہے فلک اس کی اگر ڈھال، تو خنجر ہے ہلال
رن میں غل ہے کہ چراغِ حرمین آتا ہے
لاڈلا حضرتِ زہرا رضی اللہ عنہا کا، حسین رضی اللہ عنہ آتا ہے

(پیر سید نصیر الدین نصیر رحمۃ اللہ علیہ)

نبی ﷺ اور علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت کے وارث حسین رضی اللہ عنہ کی جنگ کربلا کے ریگزاروں میں جاری ہے۔ یکے بعد دیگرے بیسیوں شامیوں بشمول تمیم بن قحطبہ، جابر ابن قائد، بدر ابنِ سہیل اور اس کے بیٹوں کو جہنم رسید کرتے ہیں۔ امام حسین رضی اللہ عنہ اس زور کے ساتھ میسرہ کی طرف بڑھتے ہیں کہ وہ جان بچانے کے لئے پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ امام حسین رضی اللہ عنہ قلبِ لشکر پر جا پڑتے ہیں، وہ بھاگتے تو آپ میمنہ کو جا پہنچے۔ جس طرف حسین رضی اللہ عنہ بڑھتے، یزیدی فوج بھاگ کھڑی ہوتی۔ عمر ابنِ سعد آواز لگاتا ہے: یہ

علی رضی اللہ عنہ کا بیٹا ہے، دوبدو جنگ میں تم کبھی اس سے نہیں جیت سکتے۔ پھر کیا تھا، چاروں اطراف سے تیر، پتھر اور نیزے پھینکے جاتے ہیں۔ امام زخمی ہو کر اپنے گھوڑے ذوالجناح کی زین سے فرشِ زمین پر آتے ہیں۔ کیسا منظر کربلا میں عصرِ عاشور فلکِ آسماں نے دیکھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کاندھوں کا سوار زخموں سے چُور ہو کر زمینِ کربلا پر گر پڑا۔ جس پیشانی، گلو اور عارض کو مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم چوما کرتے تھے، وہاں تیر، خنجر، اور تلواریں چل گئیں۔ خولی بن یزید شقی ازلی نے سینے پر تیر مارا، سنان بن انس نے نیزہ مارا۔ حسین رضی اللہ عنہ نے سجدۂ شکر ادا کیا۔ شمر ذی الجوشن سے صبر نہ ہوا اور اس بدبخت نے آگے بڑھ کر حالتِ سجدہ میں حسین رضی اللہ عنہ کا سرِ انور تن سے جدا کر کے نیزے پر بلند کر دیا۔

اے خطیبِ نوکِ سناں السلام!

ڈھونڈو گے تو شبیر رضی اللہ عنہ سا آقا نہ ملے گا
پھر تم کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نواسہ نہ ملے گا

(نامعلوم)

کلامِ ادیب

آیا نہ ہو گا اس طرح حسن و شباب ریت پہ
گلشنِ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے تھے سارے گلاب ریت پہ

جتنے سوال عشق نے آلِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے
ایک کے بعد ایک دیئے سارے جواب ریت پہ

عشق میں کیا بچایئے، عشق میں کیا لٹایئے
آلِ نبی ﷺ نے لکھ دیا سارا نصاب ریت پر

جانِ بتول رضی اللہ عنہا کے سوا کوئی نہیں کھلا سکا
قطرۂ آب کے بغیر اتنے گلاب ریت پر

پیاسا حسین رضی اللہ عنہ کو کہوں اتنا تو بے ادب نہیں
لمسِ لبِ حسین رضی اللہ عنہ کو ترسا ہے آب ریت پر

آلِ نبی ﷺ کا کام تھا، آلِ نبی ﷺ ہی کر گئے
کوئی نہ لکھ سکا ادیب، ایسی کتاب ریت پر

(ادیب رائے پوری)

قومی ترانے کے خالق جناب حفیظ جالندھری رحمۃ اللہ علیہ، کربلا میں نواسۂ رسول ﷺ کی بے مثال قربانی کو بہت خوبصورت انداز میں پیش کرتے ہوئے کربلا کی یوں منظر کشی کرتے ہیں:

لباس ہے پھٹا ہوا، غبار میں اٹا ہوا
تمام جسم نازنیں، چھدا ہوا کٹا ہوا
یہ کون ذی وقار ہے، بلا کا شہسوار ہے
کہ ہے ہزاروں قاتلوں کے سامنے ڈٹا ہوا
یہ بالیقیں حسین رضی اللہ عنہ ہے، نبی ﷺ کا نورِ عین ہے

کہ جس کی ایک ضرب سے، کمالِ فنِ حرب سے
کئی شقی گرے ہوئے، تڑپ رہے ہیں کرب سے
غضب ہے تیغ دو سر، کہ ایک ایک وار پر
اُٹھی صدائے الاماں، زبانِ شرق و غرب سے
یہ بالیقیں حسین ؓ ہے، نبی ﷺ کا نُورِ عین ہے

یہ کون حق پرست ہے، مئے رضا سے مست ہے
کہ جس کے سامنے کوئی، بلند ہے نہ پست ہے
اُدھر ہزار گھات ہے، مگر عجیب بات ہے
کہ ایک سے ہزار ہا کا حوصلہ شکست ہے
یہ بالیقیں حسین ؓ ہے، نبی ﷺ کا نُورِ عین ہے
عبا بھی تار تار ہے، تو جسم بھی فگار ہے
زمیں بھی ہے تپی ہوئی، فلک بھی شعلہ بار ہے
مگر یہ مردِ تیغ زن، یہ صف شکن، فلک فگن
کمالِ صبر و تندہی سے محوِ کار زار ہے
یہ بالیقیں حسین ؓ ہے، نبی ﷺ کا نُورِ عین ہے

دلاوری میں فرد ہے، بڑا ہی شیر مرد ہے
کہ جس کے دبدبے سے دشمنوں کا رنگ زرد ہے

حبیبِ مصطفےٰ ﷺ ہے یہ، مجاہدِ خدا ہے یہ
جب ہی تو اس کے سامنے، یہ فوج گرد برد ہے
یہ بالیقیں حسین ؓ ہے، نبی ﷺ کا نُورِ عین ہے

اُدھر سپاہِ شام ہے، ہزار انتقام ہے
اُدھر ہیں دشمنانِ دیں، اِدھر فقط امام ہے
مگر عجیب شان ہے، غضب کی آن بان ہے
کہ جس طرف اُٹھی ہے تیغ، بس خدا کا نام ہے
یہ بالیقیں حسین ؓ ہے، نبی ﷺ کا نُورِ عین ہے

(حفیظ جالندھریؒ)

کربلا واقعات بعد از شہادت امام حسین ؓ:

امام عالی مقام امام حسین ؓ کی شہادت کیا ہوئی، آلِ محمد ﷺ پر ایک قیامت برپا ہوگئی۔ سیدہ زینب ؓ آپ کو سلام۔ کیسا وہ منظر آپ نے ۱۰ محرم کو امام حسین ؓ کی شہادت کے بعد دیکھا۔ امام حسین ؓ کا امتحان ختم ہوگیا۔ مگر زینب ؓ کا امتحان ابھی ختم نہیں ہوا۔ کیسی وہ رات تھی جہاں یزیدی لشکر فتح کے شادیانے بجا رہا تھا۔ اور ادھر نبی ﷺ کے گھرانے پر کوہِ الم آ پڑا۔ یزیدی درندوں نے امام حسین ؓ کے جسدِ اطہر کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال کیا۔ شہداء کے سر نیزوں پر لٹکا لئے گئے۔ خیامِ حسینی کا مال و اسباب لوٹ لیا گیا۔ عفت مآب بیبیوں کی چادریں چھین لی گئیں۔ حسین ؓ کی بیٹی سکینہ ؓ کو طمانچے مارے گئے۔ امام زین العابدین ؓ کو قتل کرنا چاہا مگر لشکرِ یزید سے ایک شخص حمید بن مسلم نے یہ کہہ کر یزیدیوں کو اس کام سے باز رکھا

کہ یہ بیمار ہے اسے چھوڑ دو۔ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کی بیٹیوں اور خانوادۂ نبوت کو اسیر کر کے بغیر پالانوں کے اونٹوں پر بٹھایا گیا۔ قریہ قریہ، شہر شہر پھرایا گیا۔ دربارِ ابنِ زیاد اور دربارِ یزید میں بدسلوکی کرتے ہوئے تمسخر اڑایا گیا۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا، سید سجاد زین العابدین رضی اللہ عنہ، سیدہ ام کلثوم بنت علی رضی اللہ عنہا، سیدہ فاطمہ بنتِ حسین رضی اللہ عنہا و دیگر خواتین نے یزیدی رویے اور برتاؤ پر صبر کرتے ہوئے ہر جگہ خطبات ارشاد فرمائے جس میں امامِ حسین رضی اللہ عنہ کے مقصدِ شہادت کو دنیا پر آشکار کیا، ان کے نسب اور نسبتِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو بیان کیا، کوفیوں اور یزیدیوں کے طرزِ عمل پر انھیں ملامت کیا۔ اور یزیدی سوچ اور یزیدی چہرے کو بے نقاب کیا۔ یزیدیت پر کاری ضرب لگاتے ہوئے ہمیشہ کے لئے یزیدیت کو نیست و نابود کر دیا۔

امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت پر آسمان و زمین روئے، جن و ملائکہ نے گریہ کیا۔ سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم روتے رہے۔ اہلِ مدینہ روئے۔ واقعہ کربلا سے لیکر آج تک اشک ہائے الم کا ایک سیلاب رواں ہے اور قیامت تک لوگ اس واقعے کو بھول سکتے ہیں نہ اس درد کو فراموش کر سکتے ہیں۔ یہ غم دل و دماغ سے محو نہیں ہو سکتا۔ بلکہ جوں ہی محرم کا چاند نظر آتا ہے یا کربلا کا ذکر ہوتا ہے تو دل اور روح مضمحل اور آنکھ پُرنم ہو جاتی ہے۔ یزیدیوں نے کس بیدردی سے گلشن رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھولوں کو تیغِ جفا سے شہید کیا۔ ذرا چشمِ تصور میں کربلا کا یہ منظر اور پھر رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کو دیکھیں۔ کس ناز و نعم سے محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان شہزادوں کو پروان چڑھایا۔ کس گھرانے کے وہ افراد ہیں۔ روئے زمین پر ایسا کوئی گھرانہ کہاں نظر آتا ہے۔ یہاں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور کا وہ واقعہ میرے سامنے آ گیا۔ کہ جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ وظائف مقرر کرتے ہیں تو حسنین رضی اللہ عنہما کو بدری اصحاب کے برابر پانچ پانچ ہزار درہم عنایت کرتے ہیں اور اپنے بیٹے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو ۲۰۰۰ درہم دیتے ہیں تو عبداللہ

بن عمر رضی اللہ عنہ اپنے بابا سے اس بات کی شکایت کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ابا جان آپ نے میرے اور حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ کے وظائف یکساں کیوں نہیں رکھے۔ جبکہ میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس وقت تلوار چلاتا تھا جس وقت یہ دونوں ابھی بہت کمسن اور بچے تھے اور مدینہ کی گلیوں میں اپنے کپڑوں میں الجھ کر گر پڑتے تھے۔ جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کو جواب دیا: ایک شرط پر میں تیرا وظیفہ بھی ان کے برابر کر دیتا ہوں:

اَنْ تَحْضُرَلِیْ اَ بًا مِثْلَ اَبِیْهِمَا وَ اُمًّا مِثْلَ اُمِّهِمَا وَ جَدًّا مِثْلَ جَدِّهِمَا

یعنی پہلے ان کے باپ جیسا باپ، ان کی ماں جیسی ماں اور ان کے نانا جیسا نانا لے کر آ۔

(از علامہ زمخشری)

ڈاکٹر محمد عبدہ یمانی نے جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا جواب اس انداز میں نقل فرمایا ہے:

وَ یحَکُمْ یَا عَبْدَاللّٰهِ هَلْ لَکَ جَدٌّ کَجَدِّ هِمَا اَوْ جَدَّةٌ کَجَدَّ تِهِمَا اَوْ اُمٌّ کَاُمِّهِمَا اَوْ اَبٌ کَاَبِیْهِمَا.

یعنی تیری خرابی ہے اے عبداللہ! کیا تیرا نانا ان کے نانا جیسا ہے یا تیری نانی ان کی نانی جیسی ہے یا تیری ماں ان کی ماں جیسی ہے یا تیرا باپ ان کے باپ جیسا ہے۔

اہلِ بیتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان اسیروں کو کربلا سے کوفہ اور کوفہ سے دمشق تک ہر بازار سے گزارا گیا۔ شام سے واپسی پر جب اہلِ بیتِ اطہار کا قافلہ واپس مدینہ کی طرف بھیجا گیا تو ۲۰ صفر کو کربلا پہنچا۔ یومِ عاشور کا منظر آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ یہی وہ

جگہ تھی جہاں ان کی آنکھوں کے سامنے حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے رفقاء شہید کیے گئے تھے۔ ابھی اس واقعے کو صرف چالیس روز گزرے تھے۔ کربلا پہنچ کر کس درد سے وہ گزرے ہوں گے، اہلِ درد سمجھ سکتے ہیں۔ مدینہ میں شہادتِ حسین رضی اللہ عنہ کی خبر پہنچ چکی تھی۔ جوں ہی یہ قافلہ مدینہ کے پاس پہنچا تو مدینہ کے باسی (مرد و زن) محمد بن حنفیہ اور اُم المومنین اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ گھروں سے نکل آئے۔ امِ لقمان بنتِ عقیل ابنِ ابی طالب رضی اللہ عنہ اپنے خاندان کی عورتوں کے ساتھ روتی ہوئی نکلیں اور یہ اشعار پڑھے:

مَا ذَا تَقُوْلُوْنَ اِنْ قَالَ النَّبِیُّ لَکُمْ
مَا ذَا فَعَلْتُمْ وَاَنْتُمْ آخِرُ الْاُمَمِ
بِعِتْرَتِیْ وَ بِاَهْلِیْ بَعْدَ مُفْتَقِدِیْ
مِنْهُمْ اُسَارٰی وَ مِنْهُمْ ضُرِّجُوْا بِدَمٍ
مَا کَانَ هٰذَا جَزَائِیْ اِذْ نَصَحْتُ لَکُمْ
اِنْ تُخْلِفُوْنِیْ بِسُوْءٍ فِیْ ذَوِیْ رَحِمٍ

ترجمہ: لوگو کیا جواب دو گے جب نبی ﷺ تم سے پوچھیں گے۔ تم نے آخری امت ہو کر میری عترت اور میرے اہلِ بیت کے ساتھ میرے بعد کیا سلوک کیا۔ ان میں سے کچھ قیدی بنائے اور کچھ خاک و خون میں تڑپائے۔ کیا میرے وعظ و نصیحت کی یہ جزا تھی کہ میری قرابت کے ساتھ برائی کرو۔

امام زین العابدین رضی اللہ عنہ روضۂ رسول ﷺ پر گئے اور امت کے گروہِ اشقیاء نے اجرِ رسالت کا جواب جس انداز میں دیا اور جو سلوک کیا سارا ماجرا گنبدِ خضرٰی کے مکین ﷺ کو سنا دیا۔ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسنِ مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی قبورِ مطہرہ پر جا کر سارا حال بیان کیا۔ کربلا کے بعد علی بن حسین رضی اللہ عنہ کی یہ حالت ہوتی کہ دن کو روزہ رکھتے اور رات

کو عبادت کرتے یہاں تک کہ آپ زین العابدین علیہ السلام کے لقب سے مشہور ہو گئے۔ عمر بھر آپ اشک بار رہے اور آنکھوں سے کربلا کا تصور اور دل سے بابا اور بھائیوں کی یاد کبھی محو نہیں ہوئی۔ جب کھانا اور پانی لایا جاتا تو فرماتے: افسوس میرے بابا اور بھائی بھوکے پیاسے شہید ہو گئے اور رونے لگتے یہاں تک کہ چند گھونٹ پانی پیتے اور بمشکل چند لقمے کھا پاتے۔ آپ کے آنسو بھی ان لقموں میں شامل ہو جاتے۔ زین العابدین نے جتنا گریہ کیا یہ اس صدمے کا نتیجہ تھا جو ان کے بابا کے علاوہ کسی نبی زادے نے کبھی نہیں اٹھایا تھا۔ یزید نے ساقیِ کوثر کے گھرانے پر حملہ کر کے سورۃ کوثر پر حملہ کیا۔ اس لئے پروردگار کے اعلان کے تحت ابتر ہو گیا۔

واقعہ حرہ:

کربلا کے واقعے نے لوگوں کی آنکھیں کھول دیں۔ سیدہ زینب علیہا السلام اور امام زین العابدین علیہ السلام کے خطبوں نے کربلا کے مقاصد کو واضح کیا اور یزید کے فسق و فجور کو لوگوں پر عیاں کیا۔ یزید کے خلاف راہِ عامہ ہموار ہوئی اور بالخصوص حجازِ مقدس پر اس کا گہرا اثر ہوا۔ جب اعلانیہ بدکاریاں ہونے لگیں، زنا، لواطت، محرمات سے نکاح، شراب خوری اور سود کی ترغیب دی جانے لگی تو اہلِ حجاز نے یزید کی بیعت توڑ دی۔ حضرت عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: خدا کی قسم جب ہمیں یہ خوف ہوا کہ ہم پر آسمان سے پتھر نہ برسنے لگیں، ہم نے یزید کی بیعت توڑ دی۔ بلاشبہ وہ ماؤں، بیٹیوں اور بہنوں سے نکاح کرتا، شراب پیتا اور نماز چھوڑتا تھا۔ یزید نے مسلم بن عقبہ کی سربراہی میں بیس ہزار فوجی مدینہ اور مکہ پر حملہ کرنے کے لئے بھیجے۔ اس کو تاریخ میں واقعہ حرہ کہا جاتا ہے۔ یزیدی لشکر نے تین روز کے لئے مدینہ طیبہ کو مباح قرار دے کر درندگی اور بربریت کا مظاہرہ کیا۔ مسجد نبوی کے ستونوں کے ساتھ گھوڑے باندھے

گئے۔ ریاض الجنۃ (جنت کی کیاریاں) میں گھوڑے لید اور پیشاب کرتے رہے۔ ۱۷۰۰ مہاجرین اور انصار صحابہ ؓ، تابعین بشمول ۷۰۰ حفاظ، بچے اور عورتیں ملا کر تقریباً دس ہزار کے قریب شہید ہوئے۔ صحابہ زادیوں کی عزت و آبرو کو لوٹا گیا، عورتوں کی بکارت زائل ہوئی۔ ہزار ہا خواتین کے ساتھ زنا بالجبر کیا جس کی وجہ سے کئی ہزار کو حمل ٹھہرا اور ناجائز اولادیں پیدا ہوئیں۔ حضرت ابو سعید خدری ؓ کی داڑھی کے بال نوچ لئے گئے۔ سعید بن مسیب ؓ نے مجنون بن کر جان بچائی۔ الغرض درندگی اور بربریت کا جو بازار گرم کیا گیا، انسانیت اس سے شرما گئی۔ ایک باضمیر مسلمان کے لئے اس طرح کی حرکات کا تصور بھی درکنار، چہ جائیکہ کوئی مسلمان اس طرح کی حرکات کا ارتکاب کرے۔ یہ کون لوگ ہیں جو آج بھی یزید کا دفاع کرتے ہیں یا اس کے لئے نرم گوشہ رکھتے ہیں اور اس کے لئے مختلف القابات ڈھونڈتے ہیں اگرچہ ان کی تعداد گنی چنی ہے۔ یزید اور یزید نما لوگ انسانیت کے ماتھے پر کلنک کا ٹیکہ ہیں۔

غرور ٹوٹ گیا مگر کوئی مرتبہ نہ ملا
ستم کے بعد بھی کچھ حاصلِ جفا نہ ملا

سرِ حسین ؓ ملا ہے یزید کو لیکن
شکست یہ ہے کہ پھر بھی جھکا ہوا نہ ملا

(نامعلوم)

کعبۃ اللہ پر سنگ باری:

مسلم بن عقبہ خراسانی کو تاریخ میں مسرف کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ مدینہ

منورہ میں تباہی مچانے کے بعد مسلم بن عقبہ مکہ کا رخ کرتا ہے۔ مگر راستے میں ہی بیمار ہو کر ہلاک ہو جاتا ہے۔ یزیدی لشکر حصین بن نمیر کی سربراہی میں حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے قتل کے ارادے سے مکہ روانہ ہوتا ہے۔ ۶۴ دنوں تک مکۃ المکرمہ کا محاصرہ کر کے لوگوں کا قتل کیا جاتا ہے۔ خانہ کعبہ پر منجنیقوں سے پتھر اور آگ کے گولے برسائے جاتے ہیں، غلاف کعبہ اور اسماعیل علیہ السلام کے فدیے میں آنے والے دنبے کے سینگ (جو خانہ کعبہ کے ساتھ آویزاں تھے) جل جاتے ہیں۔ صفا اور مروہ کے درمیان لوگوں کو نشانہ بنایا جاتا ہے۔ اسی دوران یزید پلید کی موت واقع ہو جاتی ہے۔ اور وہ اپنے انجام کو پہنچ جاتا ہے۔ آخرت کا دردناک عذاب اس کے علاوہ ہے۔ یزید کی موت کے بارے میں مختلف اقوال میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کی موت ایسی حالت میں ہوئی کہ اس کے سرہانے شراب کا مشکیزہ تھا اور ایک مغنیہ سارنگی لئے اس کا دل بہلا رہی تھی۔

یزید کے بارے میں حق پرستوں کی رائے:

حسین رضی اللہ عنہ کربلا میں جیت گئے لوگوں کے دلوں میں بس گئے، یزید ہار گیا، دنیا اور آخرت میں رسوا ہو گیا۔ حسین رضی اللہ عنہ اور ان کے اقدام کو انسانیت عزت کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور یزید اور اس کے ساتھیوں کی مذمت کرتی ہے۔ محدثین نے یزید کی روایت حدیث کا بائیکاٹ کیا۔ ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں لکھا ہے: یہ جو جاہلوں نے افواہ اڑا رکھی ہے کہ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ باغی (نقل کفر، کفر نہ باشد) تھے تو یہ اہلسنت و جماعت کے نزدیک باطل ہے۔ شاید یہ خارجیوں کے ہزیانات (بکواس) ہیں جو راہ مستقیم سے ہٹے ہوئے ہیں۔

امام ابن حجر عسقلانی نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ ایک بار کسی نے

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں یزید پلید کو امیر المومنین کہا تو آپ نے سخت ناراض ہو کر کہا تو یزید کو امیر المومنین کہتا ہے پھر اسے ۲۰ کوڑے لگوائے۔ امام ابنِ تیمیہ نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ: یزید کے دور میں بڑے منفی امور صادر ہوئے۔ ان میں سے ایک حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا قتل ہے اور دوسرا جب اہلِ مدینہ نے یزید کی بیعت توڑ دی اور اس کے کارندوں اور عمال کو نکال دیا تو اس نے مدینہ کی جانب لشکر بھیجا اور اس کو حکم دیا کہ اگر وہ تین دن کے اندر اطاعت قبول نہ کریں تو بزور طاقت مدینہ میں داخل ہو اور تین دن کے لئے اس میں قتل و غارت گری کو جائز سمجھے۔ لہٰذا تین دنوں تک اس کی فوج نے شہرِ نبوی میں قتل و قتال کا بازار گرم کیا۔ لوگوں کے اموال لوٹے اور عصمت دریاں کیں۔ پھر مکہ کی جانب فوج بھیجی اور یزید کی موت اس حالت میں ہوئی کہ اس کی فوج مکہ کا محاصرہ کئے ہوئے تھی اور یہ زیادتی اور ظلم یزید کے حکم سے انجام دیا گیا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھنے والا کوئی شخص یزید سے کیسے محبت کر سکتا ہے۔

بریلوی مکتبِ فکر سے علامہ محمد شفیع اوکاڑوی صاحب نے ''امام پاک اور یزید پلید'' اور دیوبندی مکتبِ فکر سے شیخ الحدیث علامہ محمد عبدالرشید نعمانی مدظلہ نے بہت مفصل کتاب ''یزید کی شخصیت، اہلِ سنت کی نظر میں'' تحریر فرمائی ہے۔ علاوہ ازیں اہلِ حدیث مکتبِ فکر سے فضیلۃ الشیخ عبداللہ دانش صاحب کی کتاب ''یزید امام ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ کی نظر میں'' زیرِ طبع ہے۔

وہ تاج اور اقتدار جس کو بچانے کی خاطر یزید نے نواسۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے قتلِ ناحق کی پروا کی نہ حرمت الحرمین الشریفین کی، یزید کی موت کے بعد جب اس کے بیٹے معاویہ ثانی کی جھولی میں آ کر گرا تو اس نیک دل شخص نے اس تاج کو ٹھوکر مارتے ہوئے اعتراف حق کیا اور گوشہ نشین ہو گیا یہاں تک کہ کچھ دنوں میں ہی اس نے اپنی جان

دے کر اس دنیا سے جان چھڑا لی۔ عبداللہ دانش صاحب نے ''شرح اربعین امام حسین رضی اللہ عنہ'' میں یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ حافظ ظفر اللہ شفیق صاحب نے ''واقعۂ کربلا اور امام حسین رضی اللہ عنہ'' میں معاویہ ثانی کا وہ اعتراف حق بحوالہ کمال الدین محمد بن موسیٰ دمیری رحمۃ اللہ علیہ کچھ اس انداز میں نقل کیا ہے:

''سب سے پہلے اس نے اللہ تعالیٰ کی بلیغ انداز میں حمد وثناء کی، پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حسین وجمیل ذکر کیا پھر یوں گویا ہوا: لوگو! میں تم پر امارت کا خواہشمند نہیں ہوں۔ اس لئے کہ یہ بڑی ذمہ داری ہے، اور میں جانتا ہوں کہ تم بھی ہمیں ناپسند کرتے ہو، اس لئے تمہاری وجہ سے ہم مبتلا ہوئے اور ہماری وجہ سے تم مبتلا ہوئے۔ میرے دادا نے اس خلافت کے سلسلے میں ایک ایسے شخص سے نزاع کیا جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی قرابت، اپنی عظمت و فضیلت اور اپنی دینی سبقت کی وجہ سے خلافت کے لئے ان سے اور دوسروں سے اَولیٰ تھے۔ جو مہاجرین میں سب سے عظیم القدر تھے، سب سے دلیر تھے، سب سے بڑے عالم تھے، سب سے پہلے مؤمن تھے، سب سے بلند مرتبت تھے اور سب سے قدیم صحابی تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد اور (دنیا و آخرت) میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹی فاطمہ رضی اللہ عنہا کا ان سے نکاح کیا، انہیں ان کی پسند سے فاطمہ رضی اللہ عنہا کا شوہر بنایا اور فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کی اپنی پسند سے ان کی زوجہ بنایا، جو جوانانِ جنت کے دو سرداروں، اس امت کی دو بہترین شخصیتوں، آغوشِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں تربیت یافتہ، فاطمہ

بتولؓ کے دو فرزندوں، شجرۂ طیبہ، طاہرہ، ذکیہ کے دو نو نہالوں، حسنینؓ سبطین کے والد گرامی ہیں۔ میرے دادا نے ان سے جو کیا، وہ تم جانتے ہو اور ان کے ساتھ مل کر تم نے جو کچھ کیا، اس سے بھی تم ناواقف نہیں۔ ان کاروائیوں کے نتیجے میں امورِ خلافت میرے دادا کے انتظام میں آ گئے، پھر ان کا حتمی وقت آ پہنچا اور موت کے ہاتھوں نے انہیں ہم سے چھین لیا

....

....

...... پھر خلافت میرے ابا کی طرف منتقل ہوئی، وہ تمہارے امیر بن گئے، اور اس امارت میں ان کے والد کی خواہش کا عمل دخل تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے ابا یزید اپنے برے کردار اور اسرافِ نفس کی وجہ سے امتِ محمد ﷺ پر خلافت کے اہل نہیں تھے۔ چنانچہ وہ اپنی خواہشات پر سوار رہے، اپنی خطاؤں کو درست سمجھتے رہے، بڑی دیدہ دلیری سے اللہ کے احکام کو توڑا اور اولادِ رسول ﷺ کی حرمت کو اپنی عزت کی خاطر پامال کیا۔ چنانچہ ان کا وقت گھٹ گیا، خیر کا سلسلہ کٹ گیا اور وہ اپنے عمل کے ساتھ سو گئے، آج وہ اپنے گڑھے کی آغوش میں اپنے جرم کے گروی ہیں اور ان کی بدیوں کے نتائج دنیا میں باقی ہیں.......... انھوں نے جو کچھ کیا اس کا صلہ پا لیا، وہ شرمندہ ہیں لیکن بے فائدہ...... آج ان کی موت کا نہیں، خود ان کا غم ہمیں کھا رہا ہے۔

کاش مجھے معلوم ہو جائے کہ ان کے بارے میں جو قیل وقال

ہے، کیا یہ ان کی برائیوں کی سزا اور ان کے عمل کا بدلہ ہے؟ (تو بھی مجھے اطمینان ہو جائے کہ جان سستی چھوٹی) اور یہ میری خود فریبی ہے۔"

اتنا کہہ کر اس کی آواز رندھ گئی، دیر تک روتا رہا اور زور زور سے ہچکیاں لیتا رہا، پھر بولا: تیسرا حکمران میں بنا اور حال یہ ہے کہ مجھ سے راضی لوگ کم ہیں، ناراض زیادہ ہیں۔ میں تمہارے گناہ اٹھانے کی اپنے اندر ہمت نہیں پاتا، اللہ تعالیٰ مجھے اس حال میں نہ دیکھے کہ تمہارے بوجھ میرے گلے میں ہوں اور تمہارے تاوان میں بھروں! سو تم جانو اور تمہاری حکومت جانے، جسے چاہو، اپنا حکمران بنا لو، میں نے تو اپنی بیعت کا قلادہ تمہاری گردنوں سے اتار پھینکا۔ والسلام علیکم۔ یہ خطاب سن کر مروان بن حکم، جو وہاں منبر کے قریب بیٹھا تھا، بولا: ابو لیلیٰ! کیا یہ سنتِ عمری ہے (یعنی کیا تم حضرت عمر ﷺ کی طرح مجلسِ خلافت بنانا چاہتے ہو؟)۔ میری نظروں سے دور ہو جاؤ، کیا تم میرے دین کے بارے میں مجھے دھوکا دینا چاہتے ہو، معاویہ بن یزید نے جواب دیا۔

واللہ! میں نے تمہاری خلافت کی مٹھاس نہیں چکھی تو میں اس کے تلخ گھونٹ کیوں بھروں! میرے پاس عمر ﷺ کے آدمیوں جیسے آدمی تو لاؤ، علاوہ ازیں جب انھوں نے خلافت کو شوریٰ کے تحت رکھا اور ایسے لوگوں کے سپرد کیا، جن کی عدالت میں شک نہیں ہو سکتا تھا تو مجلس بنا کر انھوں نے کوئی ظلم نہیں کیا۔ واللہ! اگر خلافت کوئی اچھی چیز تھی تو میرے ابا نے (اپنے کرتوتوں کی وجہ سے) اس کا تاوان اور گناہ پا لیا۔ اور اگر کوئی بری چیز ہے تو جو بھگت لیا، اتنا ہی کافی ہے۔

یہ کہہ کر معاویہ بن یزید منبر سے اتر آیا (گھر گیا) رشتہ داروں کے ساتھ ماں ملنے آئی تو روتے ہوئے پایا، اس پر ماں نے اسے کہا: کاش تو حیض ہی رہتا اور میں تیری (پیدائش کی) خبر نہ سنتی! واللہ! میری بھی یہی تمنا رہی (کہ میں پیدا ہی نہ ہوتا) ہائے

میری بدبختی اگر میرے رب نے مجھ پر رحم نہ فرمایا! معاویہ بن یزید نے کہا۔ حالات نے جو یوں پلٹا کھایا تو بنو امیہ نے اس کے اتالیق عمر المقصوص کو دھر لیا۔ یہ سب کچھ تو نے اسے تعلیم و تلقین کیا ہے، تو نے اسے خلافت سے روکا ہے۔ علی رضی اللہ عنہ اور اولادِ علی رضی اللہ عنہ کی محبت تو نے اس کے دل میں ڈالی ہے۔ اس کی وجہ سے ظلم کا جو داغ ہم پر لگ گیا، یہ تو نے لگوایا، تو نے ہی (اس طرح کی) بدعتیں اسے لبھائیں تبھی اس نے ایسی گفتگو کی۔ اللہ کی قسم! میں نے کچھ نہیں کیا، دراصل حبِّ علی رضی اللہ عنہ اس کی جبلت اور طبیعت میں ودیعت ہوئی ہے۔ اتالیق نے کہا۔ لیکن انہوں نے اتالیق کی بات تسلیم نہ کی، اسے پکڑا اور زندہ دفن کر دیا، یہاں تک کہ وہ (بے چارا) مر گیا۔

خود معاویہ بن یزید بھی خلعِ بیعت کے بعد صرف چالیس دن، بعض نے کہا: ستر دن زندہ رہا، کل عمر تیئیس سال، بعض نے کہا، اکیس سال اور بعض نے کہا اٹھارہ سال ہوئی اور لاولد مرا (حیاۃ الحیوان الکبریٰ :۱/۸۸،۸۹)۔''

مشیتِ ایزدی اور قاتلانِ حسین رضی اللہ عنہ کا انجام:

کربلا میں اہلِ بیتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی مظلومانہ شہادت کے کچھ عرصہ بعد مشیتِ ایزدی نے قاتلانِ حسین رضی اللہ عنہ سے انتقام لینے کا انتظام کیا۔ جو بھی شخص قتلِ حسین رضی اللہ عنہ میں شریک تھا یا اس پر خوش ہوا۔ عذابِ آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی اپنے انجام کو پہنچا۔ بعض بری طرح مارے گئے، بعض اندھے اور روسیاہ ہوئے، کچھ مبروص اور کوڑھے ہو گئے اور کچھ عبرت ناک بیماریوں اور بلاؤں میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوئے۔ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی بھیجی: ہم نے یحیٰ بن زکریا علیہ السلام کے عوض ستر ہزار افراد مارے اور اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم تیرے نواسے کے عوض ستر ہزار اور ستر ہزار مارنے والا ہوں۔ کوفہ میں سلیمان بن صرد خزاعی رضی اللہ عنہ کے ہاں

توابین کی تحریک چلی اور لوگوں نے حسین علیہ السلام کے قاتلوں سے بدلہ لینے کا عزم کیا۔ دمشق میں معاویہ ثانی بن یزید کے تخت کو ٹھوکر مارنے پر مروان بن الحکم کو موقع مل گیا اور اس نے اپنا اقتدار قائم کر لیا۔

حجاز پر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی حکومت تھی اور کوفہ میں مختار بن عبیدہ ثقفی نے اپنا اقتدار قائم کر لیا۔ مختار بن عبیدہ ثقفی نے ابراہیم بن مالک اشتر کو اس بات پر ساتھ ملا لیا کہ ہم حسین علیہ السلام کے قاتلوں سے بدلہ لیں گے۔ بدلہ لینے کا نعرہ مقبولِ عام ہوا اور لوگ جوق در جوق مختار ثقفی کے ساتھ آتے گئے۔ زیادہ تر قاتلینِ امام حسین علیہ السلام بشمول عبید اللہ ابنِ زیاد جان بچانے کے لئے کوفہ سے بھاگ گئے۔ مختار نے مختلف اطراف میں اپنے آدمی دوڑائے جنھوں نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر اشقیاء کو قتل کیا۔ ان اشقیاء کے سر کاٹ کر مختار کے پاس کوفہ کے دارالامارہ میں بھجوائے گئے۔ یوں عمر ابنِ سعد، اس کا بیٹا حفص، خولی بن یزید، شمر ذی الجوشن، حکیم بن طفیل الطائی، زید بن رقاد، عمرو بن صبیح، عمرو بن الحجاج، عبید اللہ ابنِ زیاد اور دیگر قاتلانِ حسین علیہ السلام اپنے بدترین انجام کو پہنچے۔ عبید اللہ ابنِ زیاد بھاگ کر شام چلا گیا تھا، ابراہیم بن مالک اشتر نے ایک سخت مقابلے کے بعد اسے ہلاک کیا۔

۶۷ ہجری یومِ عاشورہ ابنِ زیاد کا سر کوفہ کے دارالامارہ میں مختار کی موجودگی میں رؤسائے کوفہ کے سامنے رکھا گیا۔ ایک سانپ ظاہر ہوا جو اس بدنہاد کے ناک سے داخل ہو کر منہ سے نکلا اور کئی مرتبہ ایسے ہوا۔ جب امام عالی مقام علیہ السلام کا سرِ انور ابنِ زیاد اور یزید کے درباروں میں پیش کیا گیا تھا تو ان ملعونین نے آپ علیہ السلام کے دندان مبارک اور لبوں پر چھڑی مار کر تمسخر اڑایا جس پر ایک صحابیِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یزید کو کہا ارے او بدبخت چھڑی پیچھے کر میں نے خود اپنی آنکھوں سے پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان لبوں پر بوسے دیتے دیکھا ہے۔ ابنِ زیاد نے بھی اسی طرح کی گستاخی کی تھی۔ ملعونین کا

سربراہ یزید ہے۔ ان ملعونین کے لئے یہ دنیا کی سزا تھی اور آخرت کا دردناک عذاب اس کے علاوہ ہے۔ سورہ احزاب کی آیت ۵۷ میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِيْنًا

ترجمہ: بے شک جو لوگ اذیت دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو، اللہ لعنت بھیجتا ہے ان پر دنیا اور آخرت میں، اور ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔

سلام

سلطانِ کربلا رضی اللہ عنہ کو ہمارا سلام ہو
جانانِ مصطفیٰ ﷺ کو ہمارا سلام ہو

عباسِ نامدار رضی اللہ عنہ ہیں زخموں سے چُور چُور
اس پیکرِ رضا کو ہمارا سلام ہو

اکبر سے نوجوان بھی رن میں ہوئے شہید
ہمشکلِ مصطفیٰ ﷺ کو ہمارا سلام ہو

بھائی بھتیجے بھانجے سب ہو گئے نثار
ہر لعلِ بے بہا کو ہمارا سلام ہو

اصغر کی ننھی جان پہ لاکھوں درود ہوں
مظلومِ بے خطا کو ہمارا سلام ہو

تیغوں کے سائے میں بھی عبادت خدا کی کی
برہانِ اولیاء کو ہمارا سلام ہو

ہو کر شہید قوم کی کشتی ترا گئے
امت کے ناخدا کو ہمارا سلام ہو

ناصر ولائے شاہ میں کہتا ہے بار بار
مہمانِ کربلا کو ہمارا سلام ہو

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ اور کربلا و مودتِ اہلِ بیت رضی اللہ عنہم:

علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ شاعرِ مشرق ،مفکرِ اسلام، مصورِ پاکستان اور حکیم الامت ہیں۔ آپ نے پاکستان کا خواب دیکھا (تصور دیا) جس کو قائدِ اعظم محمد علی جناح رحمۃ اللہ علیہ نے عملی جامہ پہنایا۔ تحریکِ پاکستان میں علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا کردار محتاجِ بیان نہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمانوں میں خودی کا جذبہ اجاگر کیا، شاہین کی پرواز کے تصور سے متعارف کرایا۔ غیرتِ ایمانی اور مسلم حمیت کے جذبات کو ابھارا۔ کربلا کا نور (روشنی) آپ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام، افکار اور عمل پر اثر انداز نظر آتا ہے۔

علامہ صاحب کے اشعار مدحتِ امام عالی مقام رضی اللہ عنہ میں پڑھے تو اندازہ ہوا کہ انھیں اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کس قدر مودت تھی۔ علامہ صاحب کے افکار پر کربلا کا بہت گہرا اثر ہے۔ علامہ صاحب کا کلام بالخصوص فارسی کلام آپ رحمۃ اللہ علیہ کی اس محبتِ خاص کو آشکار کرتا ہے۔ رموزِ بیخودی میں جس طرح آپ نے اہلِ بیت رضی اللہ عنہم رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے وہ بے مثال اور فارسی ادب کا ایک

شاہکار ہے۔

کچھ دن ہوئے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند جسٹس (ر) ڈاکٹر جاوید اقبال اس دنیا سے داغِ مفارقت دے کر چلے گئے۔ پچھلے سال محرم الحرام میں جیو نیوز پر ان (جسٹس صاحب) کا ایک انٹرویو سنا۔ وہ بتا رہے تھے کہ والدِ محترم (علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ) انھیں وصیت کر کے گئے تھے کہ بیٹا اہلِ بیتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت پر ہمیشہ قائم رہنا۔

مرتے وقت انسان کی خواہش ہوتی ہے کہ وہ اپنی اولاد کو سب سے اہم اور قیمتی وصیت کرے، وصیت پوری زندگی کا حاصل اور نچوڑ ہوتی ہے۔ علامہ صاحب نے اپنے بیٹے کو جس متاعِ بے بہا کی وصیت کی وہ مودتِ اہلِ بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ یہاں علامہ صاحب اَدّ بو اولادکم علی ثلاث کے تحت اس حدیثِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل کرتے نظر آتے ہیں جس میں پیغمبرِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں اپنی اولاد کو اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت سکھلانے کا حکم دیا ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے بیٹے کو متاعِ بے بہا کی وصیت کی۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی حیثیت اور مقام تمام مکاتبِ فکر کے ہاں مسلم ہے۔ انھیں کسی ایک فرقے سے منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیت کئی صدیوں بعد پیدا ہوتی ہے۔

علامہ صاحب قرآن، تفسیر، حدیث، سیرت، تاریخ، فلسفہ، قانون اور دیگر بے شمار علوم پر دسترس رکھتے تھے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کو عربی، فارسی، اردو، انگریزی، جرمن اور دیگر کئی زبانوں پر عبور حاصل تھا۔ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اس دارِ فانی سے کوچ کرتے ہوئے اپنے بیٹے کو جو وصیت کی، اس حوالے سے آپ کے شہرۂ آفاق اشعار کو نذرِ قارئین کر رہا ہوں تا کہ کربلا کا نور (روشنی) روح کو منور کر سکے۔

خلوت کی گھڑی گزری، جلوت کی گھڑی آئی
چھٹنے کو ہے بجلی سے آغوشِ سحاب آخر

تھا ضبط بہت مشکل اس سیلِ معانی کا
کہہ ڈالے قلندر نے اسرارِ کتاب آخر

(علامہ محمد اقبالؒ، بالِ جبریل)

نوٹ: علامہ محمد اقبالؒ کے فارسی کلام کے نثری ترجمہ و تشریح کے لیے زیادہ تر ڈاکٹر حمید اللہ شاہ صاحب ہاشمی کے کام سے استفادہ کیا گیا ہے۔

در معنی حریت اسلامیہ و سر حادثہ کربلا

(مسلم آزادی اور واقعہ کربلا کے راز کے بارے میں، رموزِ بیخودی)

ہر کہ پیماں با ھو الموجود بست
گردنش از بند ہر معبود رست
مومن از عشق است و عشق از مومن است
عشق را ناممکن ما ممکن است
عقل سفاک است و او سفاک تر
پاک تر، چالاک تر، بیباک تر
عقل در پیچاک اسباب و علل
عشق چوگاں باز میدان عمل

منظوم اردو ترجمہ از کوکب شادانی:

جو ہے وابستہ ہُوَ الْمَوْجُوْد سے
ہے وہی آزاد ہر معبود سے
عشق ہے مومن سے، مومن عشق سے
ہر ناممکن ہے ممکن عشق سے
عقل ہے سفاک، وہ سفاک تر
پاک تر، چالاک تر، بیباک تر
عقل ہے پابندِ اسباب و علل
عشق ہے جانباز میدانِ عمل

ترجمہ وتشریح: جس نے بھی ہمیشہ زندہ رہنے والے خدا (حی و قیوم) اور ہر وقت موجود (حاضر و ناظر) سے اپنا تعلق اور رشتہ بنا لیا اس کی گردن ہر معبود کی بندش سے آزاد ہوگئی۔ یعنی خدائے لم یزل سے رشتہ استوار کر لینے سے وہ ہر قسم کے خداؤں سے بے نیاز ہو جاتا ہے اور اسے ہر باطل قوت سے خلاصی مل جاتی ہے۔ مومن کا وجود عشق سے ہے اور عشق مومن کی وجہ سے ہے۔ عشق ناممکن کو ممکن بنا دیتا ہے۔ عقل اور عشق کا موازنہ کرتے ہوئے علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ عقل کو ظالم، جلاد، سنگدل اور خونریز کہہ رہے ہیں مگر عشق کی شدت خونریزی کو اس کی پاکیزہ صفات کے ساتھ بیان فرما رہے ہیں۔ عشق بے لوث اور اغراض سے پاک ہوتا ہے۔ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے ناجائز حربے استعمال نہیں کرتا۔ چالاک، نڈر اور بے خوف ہوتا ہے۔ راہِ حق میں جس تیزی سے قدم اٹھاتا ہے، عقل وہاں تک نہیں پہنچ سکتی۔ عقل ہمیشہ اعداد و شمار کے ساتھ چلتی ہے، کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے عقل اسباب، وسائل اور

نتائج کا جائزہ لیتی ہے جبکہ اس کے برعکس عشق ان ساری چیزوں سے بے نیاز ہو کر مقصدیت کے لئے آگے بڑھتا ہے۔ میدانِ عمل میں بے خوفی کے ساتھ آگے بڑھتا ہے، عشق کی طاقت اسباب و علل و وسائل نہیں ہوتے بلکہ وہ صرف اہداف کو حاصل کرنے پر کاربند ہوتا ہے۔ عشق کو پروا نہیں ہوتی، کہ اس کے ساتھیوں کی تعداد کم ہے یا حالات ناموزوں ہیں، وہ سربکف میدانِ عمل میں نکل کر مقصد کے حصول کے لئے جدوجہد کرتا ہے۔ جیسے علامہ صاحب نے ایک اور جگہ اس حقیقت کو اس طرح سے بیان فرمایا:

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

اسی طرح بالِ جبریل میں علامہ صاحب عقل اور عشق کا تقابل یوں کرتے ہیں

تازہ مرے ضمیر میں معرکۂ کہن ہوا
عشق تمام مصطفیٰ، عقل تمام بولہب
عشق صید از زورِ بازو افگند
عقل مکار است و دامے می زند
عقل را سرمایہ از بیم و شک است
عشق را عزم و یقیں لاینفک است
آں کند تعمیر تا ویراں کند
ایں کند ویراں کہ آباداں کند
عقل چوں باد است ارزاں در جہاں
عشق کمیاب و بہائے او گراں

منظوم اردو ترجمہ از کوکب شادانی:

عشق کرتا ہے بزورِ دست رام
عقل مکاری کا پھیلاتی ہے دام
بیم و شک ہیں عقل و دانش کا مزاج
عشق ہے عزم و یقیں کا امتزاج
اس کی تعمیروں میں ویرانی نہاں
اس کے ویرانے سے آبادی عیاں
عقل ارزاں مثل باد و آب ہے
بے بہا ہے عشق اور کمیاب ہے

ترجمہ وتشریح: عشق اپنے بازو کی قوت پر بھروسہ کرتے ہوئے شکار کرتا ہے مگر عقل بنیادی طور پر مکار ہے اور مکروفریب، ہیر پھیر، عیاری اور چالبازی سے شکار کو اپنے جال میں پھنساتی ہے۔ عقل کا سارا سرمایہ خوف و ڈر اور شک وشبہ ہے جبکہ عشق عزم ویقین کے ساتھ پیوستہ ہے۔ عقل کی تعمیر کا نتیجہ ویرانی کی شکل میں آتا ہے جبکہ عشق ویران کر کے مستقل طور پر آباد کرتا ہے۔ عقل ہوا کی طرح دنیا میں سستی ہے جبکہ عشق ناپید اور بہت قیمتی ہے۔

عقل محکم از اساس چون و چند
عشق عریاں از لباس چون و چند
عقل میگوید کہ خود را پیش کن
عشق گوید امتحان خویش کن
عقل باغیر آشنا از اکتساب
عشق از فضل است و باخود در حساب

عقل گوید شاد شو، آباد شو
عشق گوید بندہ شو آزاد شو

منظوم اردو ترجمہ از کوکب شادانی:

عقل کا مرکز اساس چون و چند
عشق عریاں بے لباس چون و چند
عقل کہتی ہے کہ آگے آیئے
عشق کا قول، امتحاں فرمایئے

عقل کا علمی ذریعہ اکتساب
عشق فضلِ رب سے ہے اپنا حساب
عقل کا فرماں ہے آبادی، خوشی
عشق کا آئین ہے آزادگی

ترجمہ و تشریح: عقل چون و چند (کیوں، کیسا، کتنا) کی بنیاد پر مستحکم ہوتی ہے جبکہ عشق چون و چند کے اس لباس سے بے نیاز اور عریاں ہے۔ عقل خودنمائی پر زور دیتی ہے اور اپنے آپ سے کہتی ہے کہ آگے بڑھ یعنی دولت، عزت، طاقت اور شہرت حاصل کر جبکہ عشق کہتا ہے کہ تو ان چیزوں سے بے نیاز ہو جا اور اپنے آپ کو امتحان کے لئے پیش کر دے اور آزمائش سے گزر جا۔ عقل مطلب کے لئے اجنبی سے آشنائی پیدا کرتی ہے جبکہ عشق اپنا محاسبہ خود کرتے ہوئے، غیر سے تعلق استوار کرنے کی بجائے اللہ کے فضل پر بھروسہ کرتا ہے۔ عقل کہتی ہے کہ خوش رہ کر مزے کی زندگی گزار کر راحت اور شادمانی حاصل کر جبکہ عشق کہتا ہے کہ اللہ کا صحیح بندہ بن کر غیر کی غلامی سے آزاد ہو

جا۔علامہ صاحب عقل کو مکار اور چالاک گردانتے ہیں اور عشق کو بے لوث اور ترجمانِ حق:

عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے
عشق بیچارہ نہ ملا ہے، نہ زاہد نہ حکیم

عشق را آرام جاں حریت است
ناقہ اش را سارباں حریت است
آں شنیدستی کہ ہنگام نبرد
عشق با عقلِ ہوس پرور چہ کرد
آں امام عاشقاں پور بتولؓ
سرو آزادے زبستان رسول ﷺ
اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنی ذبح عظیم آمد پسر

منظوم اردو ترجمہ از کوکب شادانی:

حریت ہے عشق کا آرام جہاں
اس کے ناقے کی بھی ہے سارباں
عشق نے اک روز وقتِ کارزار
کر دیا عقلِ ہوس پیشہ کو خوار
وہ امام عاشقاں، ابنِ بتولؓ
سرو آزاد گلستانِ رسول ﷺ

باۓ بسم اللہ شہادت کی پدر
معنی ذبح عظیم اس کا پسر

ترجمہ وتشریح: عشق کے لئے آرام، سکون اور راحت، حریت کی وجہ سے ہے۔ اس کی اونٹنی (ناقے) کو ہانکنے والی حریت ہے۔ کیا تو نے وہ واقعہ سنا کہ جب جنگ ہو رہی تھی تو لڑائی کے وقت عشق نے ہوس پرور عقل کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ (یہاں لڑائی سے مراد کربلا کا معرکہ ہے۔ جس میں عشق کے سپہ سالار امام حسین علیہ السلام ہیں اور ہوس پرور عقل یزید اور اس کے حمایتی ہیں)۔ وہ (حسین علیہ السلام) عاشقوں کے امام ہیں، بتول (فاطمہ علیہا السلام) کے فرزند اور جگر گوشے ہیں۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باغ میں سروآزاد کی مانند ہیں۔ ان کے والد جناب علی کرم اللہ وجہہ بسم اللہ کی با (ب) ہیں اور بیٹے یعنی امام حسین علیہ السلام ذبح عظیم کی تفسیر ہیں۔ قرآن سورۃ صافات میں کہتا ہے: وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ یعنی ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے عوض دے دیا۔ اور یوں اسماعیل علیہ السلام کی جگہ جنت سے ایک مینڈھا آجاتا ہے اور یہ قربانی ۶۱ ہجری تک موقوف کر دی جاتی ہے۔ اور کربلا کے ریگزاروں میں نواسہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ عظیم قربانی پیش کرتے ہیں۔ اسماعیل علیہ السلام ذبیح اللہ کہلاتے ہیں اور امام حسین علیہ السلام ذبح عظیم کی تفسیر بن جاتے ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نقطۂ باۓ بسم اللہ ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا: اَنَا النُّقْطَةُ تَحْتَ الْبَاءِ یعنی میں با کے نیچے نقطہ ہوں۔ اسی طرح آپ علیہ السلام کا یہ قول بھی مختلف کتب میں موجود ہے کہ تمام کتابوں کا علم قرآن مجید میں ہے۔ قرآن کا نچوڑ سورۃ فاتحہ ہے۔ سورۃ فاتحہ کا نچوڑ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں ہے اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا نچوڑ اس کی با میں ہے اور وہ با میں علی علیہ السلام کی

ذات ہوں۔ اسی طرح امام المفسرین اور حبر الامۃ (امت کے سب سے بڑے عالم) حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے وہ بات بھی ہمارے سامنے ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ عشاء کی نماز کے بعد الحمد (سورۃ فاتحہ) کی تفسیر بیان کرنے لگے تو صبح کا وقت ہو گیا (اور ابھی با کی تفسیر ختم نہ ہوئی تھی)۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا اگر میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر لکھ دوں تو ستر اونٹوں کا بار بن جائے۔ ایسا کیوں نہ ہو، وہ نقطۂ بائے بسم اللہ ہیں احادیثِ مبارکہ کی روشنی میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بابِ مدینۃ العلم، بابِ دارالحکمۃ ہیں، علی مع القرآن و القرآن مع علی لن یتفرقا حتیٰ یردا علیّ الحوض ، یعنی علی رضی اللہ عنہ قرآن کے ساتھ اور قرآن علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہے۔ اور یہ دونوں ہرگز ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ حوضِ کوثر پر میرے پاس پہنچ جائیں۔

بہر آں شہزادہ خیر الملل
دوشِ ختم المرسلیں نعم الجمل
سرخ رو عشق غیور از خونِ او
شوخیِ ایں مصرع از مضمونِ او
درمیانِ امت آں کیواں جناب
ہمچو حرفِ قل ھو اللہ در کتاب
موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید
ایں دو قوت از حیات آید پدید

منظوم اردو ترجمہ از کوکب شادانی:

تھا بچہ شہزادہ خیر الملل
دوشِ ختم المرسلین نعم الجمل
سرخ رو ہے عشق اس کے خون سے
زندہ ہے یہ قول اسی مضمون سے
امت مسلم کی ہے وہ جان میں
قل ھو اللہ جیسے ہے قرآن میں
موسیٰ علیہ السلام و فرعون، شبیر رضی اللہ عنہ و یزید
قوتیں یہ کب رہی ہیں ناپدید

ترجمہ وتشریح: قرآن پاک کی آیت مبارکہ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّۃٍ کے تحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت یعنی ہم مسلمان خیر الملل (خیرالامت، سب سے بہتر امت) ہیں۔ملت۔ اسلامیہ کے اس شہزادے کی شان یہ ہے کہ سرکار ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کا دوش مبارک ان کے لئے اچھی سواری قرار پایا ہے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ راکبِ دوشِ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی دوشِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوار ہیں اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مرکب ہیں یعنی سواری۔ اس شعر کا مصداق وہ احادیث ہیں جن میں یہ واقعہ کچھ اس طرح سے بیان ہوا ہے کہ حسنین رضی اللہ عنہما ایک دفعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاندھوں پر سوار تھے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ (کچھ روایات میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نام ملتا ہے) نے کہا، نعم الرکب یعنی کیا خوبصورت سواری ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً ارشاد فرمایا، نعم الراکب، کیا خوبصورت سوار ہیں۔ علامہ صاحب نے یہاں اسی واقعے کی طرف اشارہ کیا ہے۔ نعم الجمل سے مراد اچھی سواری (اونٹ) ہے۔ عشقِ غیور امام حسین رضی اللہ عنہ

کے خون سے ہی سرخ رو ہوا ہے۔ اور ان ہی کے مضمون (کربلا) سے اس مصرع (عشق غیور) میں شوخی پیدا ہوئی ہے یعنی امام حسین رضی اللہ عنہ نے اعلائے کلمۃ الحق کی خاطر اپنی جان کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے عشق غیور کے لئے سامانِ کامیابی فراہم کیا۔ عشق کو غیور اس لئے کہا کہ وہ باطل کے سامنے ڈٹ جاتا ہے اور کوئی طاقت اسے دبا سکتی ہے نہ پیچھے ہٹا سکتی ہے۔ شوخی مصرع کی دلآویزی اور خوبی کو ظاہر کر رہی ہے۔ امام حسین رضی اللہ عنہ کا مقام امتِ مسلمہ میں بالکل ایسے ہی ہے جیسے قرآن میں سورہ اخلاص (قل ھو اللہ) کا ہے۔ سورہ اخلاص کا مقام قرآنِ پاک میں اہلِ عرفان سے پوشیدہ نہیں۔ اسی طرح امام حسین رضی اللہ عنہ کا مقام بھی کچھ ڈھکا چھپا نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام اور فرعون، شبیر رضی اللہ عنہ اور یزید یہ دو قوتیں ہیں جو زندگی سے ظاہر ہوئیں۔ ان میں سے موسیٰ علیہ السلام اور امام حسین رضی اللہ عنہ حق کے علمدار ہیں، فرعون اور یزید باطل قوتوں کے نمائندے ہیں۔ دونوں قوتیں شروع سے چلی آ رہی ہیں اور باہم متحارب ہیں۔ انہی قوتوں کو علامہ صاحب نے یوں بھی بیان فرمایا:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے شرارِ بولہبی

زندہ حق از قوتِ شبیری رضی اللہ عنہ است
باطل آخر داغِ حسرت میری است
چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت
حریت را زہر اندر کام ریخت

خاست آں سر جلوہ خیر الامم
چوں سحاب قبلہ باراں در قدم
بر زمینِ کربلا بارید و رفت
لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت

منظوم اردو ترجمہ از کوکب شادانی:

قوتِ شبیر رضی اللہ عنہ ہے حق کا چراغ
قسمتِ باطل ہے محرومی کا داغ
جب خلافت ہو گئی قرآں سے دور
حریت میں ہو گیا پیدا فتور
تب اٹھا وہ سرورِ خیر الامم
لے کے مثلِ ابر باراں در قدم
کربلا پر جا کے برسا، کھل گیا
کتنے ویرانوں کو دے کر گل گیا

ترجمہ وتشریح: تاریخ عالم اس بات کی گواہ ہے اور قرائن وشواہد سے یہ بات ثابت ہے کہ حق قوتِ شبیری سے زندہ ہوتا ہے اور باطل کے مقدر میں حسرت کی موت کا داغ رہ جاتا ہے۔ حق کا بول بالا ہوتا ہے اور باطل ذلیل وخوار۔ حق کی قوت موسیٰ علیہ السلام اور حسین رضی اللہ عنہ کی روش پر چلتا ہے۔ جب خلافت نے قرآن مجید سے اپنا تعلق ختم کر دیا اور ملوکیت کا زہر آزادی کے حلق میں اتار دیا گیا تو یہ حالات دیکھ کر اُمت کا سب سے بہتر فرد اپنے نمایاں ترین جلوے کے ساتھ اس طرح اٹھا جیسے قبلے کی طرف سے بادل نمودار ہوتے ہیں۔ اور آتے ہی ہر طرف جل تھل کر دیتے ہیں۔ قبلہ کی طرف سے اٹھنے والے سحاب

ضرور برس کر رہتے ہیں۔ یہ گھنگھور گھٹا کربلا کی زمین پر برس کر چھٹ گئی اور ویرانوں کو لالہ زار بنا دیا۔ اور چل دی۔ یعنی لالہ کے پھول اگائے یہاں علامہ صاحب گلِ لالہ کو اس کے سرخ رنگ کی وجہ سے خون کے قطروں سے تشبیہ دے رہے ہیں۔

تا قیامت قطع استبداد کرد — موج خونِ او چمن ایجاد کرد
بہرِ حق در خاک وخوں غلطیدہ است — پس بنائے لا الہ گردیدہ است
مدعایش سلطنت بودے اگر — خود نکردے با چنیں ساماں سفر
دشمناں چوں ریگِ صحرا لا تعد — دوستان او بہ یزداں ہم عدد
سرِ ابراہیم علیہ السلام و اسمٰعیل علیہ السلام بود — یعنی آں جمال را تفصیل بود

منظوم اردو ترجمہ از کوکب شادانی:

فکر ہائے جور مستقبل گئے
خون سے اس کے گلستاں کھل گئے
خاک و خوں میں لوٹ کر وہ حق پناہ
بن گیا آخر بنائے لا الہ
سلطنت ہوتی اگر پیشِ نظر
بے سر و ساماں نہ کرتا یوں سفر
اس طرف اعدائے دیں تھے بیشمار
اس طرف خالی بہتر دوستدار
سرِّ ابراہیم علیہ السلام و اسمٰعیل علیہ السلام تھا
یعنی اس اجمال کی تفصیل تھا

ترجمہ وتشریح: امام حسین رضی اللہ عنہ کی قربانی نے قیامت تک کے لئے ظلم و جور، جبر واستبداد

اور مطلق العنانی کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔ اور آپ ؑ ہی کی خون کی موجوں نے (حریت کا) گلزار کھلا دیا۔ آپ ؑ حق (دین کی بقا) کی خاطر خاک وخون میں تڑپے اور اسی وجہ سے کلمہ توحید کی بنیاد قرار پائے۔ علامہ محمد اقبال ؒ کے یہ اشعار خواجہ معین الدین چشتی ؒ سے منسوب ان اشعار کی توثیق میں ہیں جن میں اسی مضمون کا بیان ہے۔

شاہ است حسین ؑ بادشاہ است
دین است حسین ؑ دین پناہ است حسین ؑ
سرداد نہ داد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسین ؑ

ترجمہ: امام حسین ؑ شاہ بھی ہیں اور بادشاہ بھی، حسین ؑ دین بھی ہیں اور دین کو بچانے والے بھی ہیں۔ آپ ؑ نے سر دے دیا لیکن اپنا ہاتھ یزید کے ہاتھ میں نہ دیا۔ سچ تو یہ ہے کہ امامِ حسین ؑ کلمہ توحید کی بنیاد ہیں۔

امامِ عالی مقام ؑ نے یہ جنگ دین کی بقا کے لئے لڑی اور خلافت کے تعین کے لئے جو اصول شریعتِ محمدی ﷺ نے طے کئے تھے اس کے دفاع کے لئے اپنی جانیں دیں، ان کا مقصد سلطنت حاصل کرنا نہیں تھا۔ اگر وہ حکومت کے لئے یہ کام کرتے تو اسقدر تھوڑے سامان، اسباب و افراد (بشمول خواتین اور بچے) کے ساتھ کیوں کوفہ کی طرف روانہ ہوتے۔ ان کے دشمن صحرا کی ریت کے ذروں کی مانند کثیر (ہزاروں کی) تعداد میں تھے جبکہ آپ کے رفقائے کار گنے چنے افراد پر مشتمل تھے۔ آپ ؑ کے ساتھیوں کی تعداد اتنی ہی تھی جتنی یزداں کے عدد ہیں۔ (ی = ۱۰، ز = ۷، د = ۴، ا = ۱، ن = ۵۰ بکل ۷۲) یزداں کے اعداد کا مجموعہ بہ قاعدہ ابجد بہتر ہی ہے۔

کربلا میں بھی بہتر افراد کی شہادت ہوئی۔ امام حسین علیہ السلام کی قربانی، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا ہی تسلسل تھا۔ یعنی وہ قربانی تو اجمال کی منزل پر ہی منعقد ہوئی اور اس کی تفصیل امام عالی مقام علیہ السلام نے بہتر جانثاروں کے ساتھ شہادت کی صورت میں پیش کی۔ جناب اسماعیل علیہ السلام نے اپنے آپ کو قربانی کے لئے پیش کیا، جناب ابراہیم علیہ السلام نے جو خواب دیکھا، اپنے بیٹے کو لٹا کر اپنی طرف سے ان کے گلے پر چھری چلا کر بھی کر دکھایا۔ اسماعیل علیہ السلام کی جگہ جنت سے مینڈھا آ گیا اور سنتِ ابراہیمی علیہ السلام میں تمام مسلمان عید الاضحیٰ کے موقع پر جانوروں کی قربانی کے ساتھ اس اجمالی قربانی کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ قدرت نے ان کی قربانی کو قبول کرتے ہوئے ذبحِ عظیم کو مؤخر کر دیا جس کی تفصیل کربلا کے ریگزاروں میں محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نواسے نے بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کی قربانیاں دے کر پیش کی۔ کربلا قربان گاہ بن گئی جس میں قربانی کے عنوان کے تمام تفصیلات درج ہو گئیں۔ امام حسین علیہ السلام کی قربانی وَفَدَیْنٰہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ کی تفسیر اور جناب ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کا تتمہ بن گئی۔

عزمِ او چوں کوہساراں استوار — پائیدار و تند سیر و کامگار
تیغ بہر عزت دین است و بس — مقصد او حفظ آئین است و بس
ما سوی اللہ را بندہ نیست — پیش فرعونے سرش افگندہ نیست
خون او تفسیر ایں اسرار کرد — ملت خوابیدہ را بیدار کرد
تیغ لا چوں از میاں بیروں کشید — از رگ ارباب باطل خوں کشید
نقش الا اللہ بر صحرا نوشت — سطر عنوان نجات ما نوشت

منظوم اردو ترجمہ از کوکب شادانی:

اس کا عزم پختہ مثل کوہسار — تھا نہایت پائدار اور کامگار
تیغ ہے بس عزتِ دیں کے لئے — گر اٹھے تو حفظِ آئیں کے لئے

کوئی مسلم غیر کا بندہ نہیں ما سوا کے سامنے جھکتا نہیں
اس کے خوں نے راز یہ افشا کیا ملّتِ مردہ کو زندہ کر دیا
تیغ 'لا' کو اس نے جب عریاں کیا خوں رگِ اربابِ باطل سے بہا
نقش الا اللہ صحرا پر لکھا بخششِ امت کا ساماں کر دیا

ترجمہ و تشریح: امام حسین ؑ کا عزم ایسا تھا جیسے پہاڑ اپنی جگہ پر ڈٹے ہوں۔ عزم و استقامت کی ایک لازوال داستان ہے کربلا۔ یہ عزم پائیدار، پختہ، مضبوط، تیز اور کامیاب ہے۔ انسان کے حوصلوں کی شکستگی کے لئے تین دن کی بھوک اور پیاس ہی کافی ہوتی ہے، مگر فاطمہ ؑ کے لال نے کربلا میں جس حوصلے کا مظاہرہ کیا اس کی مثال نہیں ملتی۔ وہ یومِ عاشور صبح سے ۷۱ لاشیں اٹھا چکے تھے جن میں ان کے ۶ ماہ کے علی اصغر کا ننھا لاشہ اور ۱۸ سال جوان بیٹے علی اکبر کی لاش شامل ہے۔ بیٹوں، بھانجوں، بھتیجوں، بھائیوں اور رفقائے امام ؑ کی لاشیں بھی ان کے حوصلوں کو مات نہ دے سکیں۔ وہ ہر ظلم اور جبر کے سامنے کوہِ گراں ثابت ہوئے۔ تاریخ ایسی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ شمشیر (تلوار) صرف دین کی عزت و ناموس کے لئے بے نیام ہو سکتی ہے اور ان کی جنگ ذاتی اغراض و مقاصد کے لئے نہیں تھی بلکہ دینِ اسلامی اور شریعتِ محمدی ﷺ کی بقا اور پاسداری کے لئے تھی۔ کربلا کا پیغام یہ ہے کہ مسلمان اللہ کے سوا کسی اور کا غلام نہیں بن سکتا اور اس کا سر کسی فرعون کے سامنے نہیں جھک سکتا۔ امام عالی مقام ؑ کے خونِ پاکیزہ نے اس راز سے پردہ اٹھایا اور خوابیدہ ملت کو جگا کر یہ نقطہ سمجھایا، جو اس بات سے غافل تھی۔ امام حسین ؑ نے ملت کی غفلت دور کی۔ انھوں نے لا کی تلوار میان سے نکال کر باطل کی رگوں سے خون نکال دیا۔ امام حسین ؑ نے الا اللہ یعنی

توحید کا نقشہ صحرا کے سینے پر کھینچا اور یہ نقش ہماری نجات کے عنوان کی سطر کے طور پر لکھ دیا۔

رمزِ قرآں از حسینؑ آموختیم — ز آتش او شعلہ ہا اندوختیم

شوکتِ شام و فر بغداد رفت — سطوت غرناطہ ہم ازیاد رفت

تارِ ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز — تازہ از تکبیر او ایمان ہنوز

اے صبا اے پیک دور افتادگاں — اشک ما بر خاکِ پاک او رساں

منظوم اردو ترجمہ از کوکب شادانی:

رمزِ قرآنی ہمیں سمجھا گیا — رازِ ایمانی ہمیں سمجھا گیا

وہ فروغ شام و بغداد اب کہاں — مٹ گیا غرناطہ کے فر کا نشاں

ہم ہیں زندہ قوتِ شبیرؑ سے — تازہ ہے ایماں اسی تکبیر سے

آنکھ سے نکلے تو اشکِ چشمِ تر — کاش پہنچے اس کی خاک پاک پر

ترجمہ وتشریح: ہم نے قرآن کے اسرار و رموز جناب حسینؑ سے ہی سیکھے ہیں اور انہی کی روشن کی ہوئی آگ سے شعلے سمیٹ رہے ہیں۔ دنیا کی کئی حکومتیں آئیں اور مٹ گئیں، شام اور دمشق میں بنو امیہ کا اقتدار تھا اور بغداد میں عباسی حکومتیں قائم تھیں۔ شام کی شوکت مٹ گئی اور بغداد کا جاہ و جلال ختم ہو گیا۔ غرناطہ کی سطوت اور رعب بھی رخصت ہو گیا مگر اس کے مقابلے میں کربلا کی یاد آج بھی زندہ ہے۔ امام حسینؑ کی مضراب ہمارے ساز کے تار اب تک چھیڑ رہی ہے جن سے نغمے نکل رہے ہیں۔ اور اب تک ان کے نعرۂ تکبیر کی صدا سے ہمارے ایمان تازہ ہو رہے ہیں۔ اے صبا! اے دور رہنے والے لوگوں کی قاصد! ہمارے آنسوؤں کا ہدیہ امام حسینؑ کے روضۂ انور پر نچھاور کر دے۔

در معنی ایں کہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراء
اسوہ کاملہ ایست برائے نساء اسلام

(خواتینِ اسلام کے لیے سیدہ فاطمۃ الزہراء ؓ کا اسوہ کاملہ، رموزِ بیخودی)

مریمؑ از یک نسبت عیسیٰ علیہ السلام عزیز — از سہ نسبت حضرت زہرا ؓ عزیز
نورِ چشم رحمۃ للعالمین ﷺ — آں امام اولین و آخرین
آں کہ جاں در پیکر گیتی دمید — روزگار تازہ آئیں آفرید
بانوے آں تاجدار ہل اتیٰ — مرتضیٰ ؓ مشکل کشا شیر خدا
پادشاہ و کلبہ ایوان او — یک حسام و یک زرہ سامان او

منظوم اردو ترجمہ از کوکب شادانی:

قدرِ مریمؑ حضرت عیسیٰؑ سے ہے — قدرِ زہراؓ کے لئے ہیں تین شے
احمد مختار ﷺ کی دختر ہیں یہ — سیدِ ابرار ﷺ کی دختر ہیں یہ
باپ ان کے وجہ خلق دو جہاں — دہر کا آئینِ نو جن کی زباں
شوہر ان کے تاجدارِ ہل اتیٰ — مرتضیٰ ؓ، مشکل کشا، شیرِ خدا
دیکھ حال اس شاہ کے ایوان کا — ایک تلوار، ایک زرہ سامان تھا

ترجمہ وتشریح: حضرت مریم علیہا السلام کے ساتھ ہماری صرف ایک نسبت ہے۔جس کی وجہ سے وہ ہمیں عزیز ہیں ۔ وہ نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ ہونا ہے۔ جبکہ سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہماری تین نسبتیں ہیں۔ پہلی نسبت یہ ہے کہ آپ رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی نُورِ چشم (بیٹی) ہیں جو اگلوں اور پچھلوں کے امام ہیں۔ یعنی سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر کے مصداق ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے کائنات (دنیا) کے جسم میں جان پھونکی گئی۔ اور ایک ایسی دنیا معرض وجود میں آئی جس کے قوائد وقوانین بنے اور آئین نو کی تشکیل ہوئی۔ دوسری نسبت یہ ہے کہ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا ھل اتیٰ کے تاجدار کی زوجہ محترمہ ہیں۔ تاجدار ھل اتیٰ، مرتضیٰ اور مشکل کشا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے القابات ہیں۔ سورہ الدھر کی آیات ھل اتیٰ علی الانسان حین من الدھر ...... کیا انسان پر کوئی ایسا زمانہ بھی آیا ہے...... کے مصداق حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات ہے۔ جس کی وجہ سے آپ کا لقب تاجدارِ ھل اتیٰ ہے۔ مرتضیٰ یعنی پسند کیا گیا اور مشکل کشا، یعنی مشکلیں حل کرنے والا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے سے پیشرو خلفاء بالخصوص شیخین رضی اللہ عنہما (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ) کے دورِ خلافت میں مشکل مسائل کی گتھیاں علم و حکمت، فہم و تدبر سے سلجھائیں۔ یہاں تک کہ دورِ فاروقی رضی اللہ عنہ میں ایک خاتون کے رجم کرنے کے معاملے میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فیصلے کو بوجوہ مؤخر کرنے کا مشورہ دیا تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے برملا اس بات کا اعتراف کیا اور فرمایا: لَوْ لَا عَلِیٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ یعنی اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ خبردار کوئی ابوالحسن رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں فتویٰ دینے کی

جرات نہ کرے۔ اور یہ کہ: میں ایسے علمی مسئلے سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں کہ جو ہمیں درپیش آجائے پر ابوالحسن علیہ السلام موجود نہ ہوں۔ اور یہ کہ: اے علی علیہ السلام! اللہ نے آپ علیہ السلام کی ہی برکت سے ہمارے سروں پر بال اگائے ہیں۔ اردو میں محاورہ مشہور ہے کہ جب کوئی ایسا مسئلہ درپیش ہو جس کا حل ممکن نہ ہو تو یوں کہا جاتا ہے: مسئلہ درپیش آگیا پر ابوالحسن موجود نہیں۔ حضرت علی علیہ السلام اللہ کے شیر (اسد اللہ) ہیں۔ وہ بادشاہ تھے مگر ایک تنگ حجرہ ان کا گویا محل تھا۔ ایک شمشیر (تلوار) اور ایک زرہ (فولاد کا جنگی لباس) ان کا کل سامان تھا۔

مادر آں مرکز پرکار عشق — مادر آں کارواں سالار عشق
آں یکے شمع شبستان حرم — حافظ جمیعت خیر الامم
تا نشیند آتش پیکار و کیں — پشت پازد برسر تاج و نگیں
واں دگر مولائے ابرار جہاں — قوت بازوئے احرار جہاں

منظوم اردو ترجمہ از کوکب شادانی:

ایک بیٹا مرکزِ پرکار عشق
راہِ حق میں کارواں سالارِ عشق
آتشِ فتنہ بجھانے کے لئے
اور کیا، تاج و نگیں ٹھکرا دیے
دوسرا مولائے ابرار جہاں!
قوتِ بازوئے احرار جہاں!
زندگی کا سوزِ پیہم ہیں حسین علیہ السلام
حریّت آموزِ عالم ہیں حسین علیہ السلام

ترجمہ وتشریح: تیسری نسبت یہ کہ آپ حسنینِ کریمین علیہم السلام (حسن علیہ السلام اور حسین علیہ السلام) کی

والدہ محترمہ ہیں۔ امام حسین رضی اللہ عنہ عشق کی پرکار کے مرکز ہیں اور امام حسن رضی اللہ عنہ عشقِ حق کے قافلہ سالار ہیں۔ ان میں سے ایک حضرت حسن رضی اللہ عنہ حرم پاک کی شمع ہیں، جنھوں نے بہترین امت یعنی امتِ مسلمہ کی جمعیت محفوظ رکھی۔ ملتِ اسلامیہ کے دو گروہوں میں جنگ اور عداوت کی جو آگ بھڑک اٹھی تھی اس کو بجھانے کے لئے حکمرانی کو ٹھکرا دیا یعنی خلافت چھوڑ کر امت مسلمہ کے بہتے ہوئے خون کو روکا۔ یہاں علامہ صاحب اس خانہ جنگی کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور خلافت میں اہلِ شام کی طرف سے شروع ہوئی۔ مولا علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد امام حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد منتخب ہوئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حسن رضی اللہ عنہ کے لئے میری سرداری اور ہیبت ہے اور حسین رضی اللہ عنہ کے لئے جرات اور سخا ہے۔ اور یہ کہ میرا یہ بیٹا (حسن رضی اللہ عنہ) امتِ مسلمہ کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گا۔ امام حسن رضی اللہ عنہ کو جب خانہ جنگی روکنے کی کوئی اور صورت نظر نہ آئی تو کچھ شرائط پر صلح کر کے خلافت چھوڑ دی اور امتِ مسلمہ کو خونریزی سے بچا لیا۔ اور دوسرے امام حسین رضی اللہ عنہ ہیں جو مولائے ابرار جہاں ہیں یعنی دنیا بھر کے نیک اور متقی لوگوں کے آقا و مولا ہیں۔ وہ دنیا بھر کے احرار (حر کی جمع، آزاد لوگ) کے لئے قوتِ بازو ہیں۔

باز در عالم بیار ایام صلح
جنگجو یاں را بدہ پیغام صلح

(علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ، اسرار خودی)

یعنی ایک مرتبہ پھر دنیا میں صلح اور امن کا دور لے آ، جنگ پر آمادہ لوگوں کو صلح کا پیغام دے۔

در نوائے زندگی سوز از حسین رضی اللہ عنہ

اہلِ حق حریت آموز از حسین علیہ السلام
سیرت فرزند ہا از امہات
جوہر صدق و صفا از امہات
مزرعِ تسلیم را حاصل بتول رضی اللہ عنہا
مادراں را اسوہ کامل بتول رضی اللہ عنہا
بہر محتاجے دلش آں گونہ سوخت
با یہودے چادر خود را فروخت
نوری و ہم آتشی فرمانبرش
گم رضائش و رضائے شوہرش

منظوم اردو ترجمہ از کوکب شادانی:

وصف یہ اولاد کا ماؤں سے ہے
جوہرِ صدق و صفا ماؤں سے ہے
مزرعِ تسلیم کا دل ہیں بتول رضی اللہ عنہا
ماؤں کو ایک درس کامل ہیں بتول رضی اللہ عنہا
اک گدائے بے نوا کے واسطے
اب تو کوئی اپنی چادر بیچ دے
آتشی نوری نگاہوں میں حقیر
اپنے شوہر کی مگر فرماں پذیر

ترجمہ وتشریح: زندگی کے نغمے میں سوز صرف امام حسین علیہ السلام کی وجہ سے ہے اور اہلِ حق نے آزادی کا سبق انہی سے سیکھا ہے۔ بیٹوں کی سیرت ماؤں کی آغوش میں ہی تیار ہوا کرتی ہے۔ انسانی زندگی کی سچائی اور پاکیزگی کے جوہر ماؤں کی

تربیت سے ہی جگمگاتے ہیں۔ تسلیم کی کھیتی کا حاصل سیدہ فاطمہ ؓ کی ذاتِ مبارکہ ہے اور آپ ؓ کی ذات مسلمان ماؤں کے لئے ایک مکمل مثال (اسوہ کاملہ) ہے، جس میں ماؤں کے لئے زندگی کے ہر پہلو کے حوالے سے بہترین نمونہ ہے۔ ایک دفعہ کوئی سائل دربار رسالت مآب ﷺ میں سوال لے کر آیا۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ ؓ سے پوچھا کسی کے پاس اس کے کھانے کے لئے کچھ موجود ہو تو پیش کرے، سب نے اپنے گھروں سے پتا کروایا مگر کہیں سے بھی اس سائل کی ضرورت پوری نہ ہو سکی۔ حضور ﷺ نے حضرت سلمان فارسی ؓ کو کاشانہ فاطمہ ؓ کی طرف بھیجا۔ اہلِ بیت زیادہ تر روزے سے ہوتے اور کھانے کے لئے بھی بسا اوقات کچھ میسر نہیں ہوتا۔ سیدہ ؓ کے پاس گھر میں کھانے کے لئے کچھ نہیں تھا تو انھوں نے اپنی چادر سلمان فارسی ؓ کو دے کر شمعون یہودی کے پاس بھیجا کہ یہ اس کے پاس گروی رکھوا کر سائل کے لئے کچھ اناج حاصل کرلیں۔ جنابِ سلمان ؓ وہ چادر لے کر شمعون کے پاس جاتے ہیں اور گروی رکھوا کر سائل کے لئے اناج لے جاتے ہیں۔ ادھر قسمت شمعون پر مہربان ہوتی ہے۔ رحمتیں اس پر نچھاور ہونے کے لئے تڑپ رہی ہیں۔ وہ پیوند لگی چادر دیکھ کر سوچتا ہے کہ جس بیٹی نے فقر کو اختیار کیا ہے، ان کے والد ضرور اللہ کے سچے نبی ﷺ ہیں۔ ہدایت کے نُور سے ظلمتیں چھٹ جاتی ہیں اور وہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتا ہے۔ علامہ صاحب یہاں اس واقعے کو اپنے اشعار میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ایک محتاج کی خاطر حضرت فاطمہ ؓ کا دل کچھ اس طرح سے متاثر ہوا کہ اس کی امداد کے لئے اپنی چادر ایک یہودی کے ہاتھ بیچ ڈالی۔ نُوری اور ناری (فرشتے اور جن پری)

آپ ﷺ کے فرمانبردار ہیں اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنے شوہر (علی رضی اللہ عنہ) کی فرمانبرداری میں اپنی مرضی کو ان (علی رضی اللہ عنہ) کی مرضی میں گم کر دیتی ہیں۔ یعنی سراپا تسلیم ورضا ہیں۔

آں ادب پروردہ صبر و رضا ۔۔۔ آسیا گردان و لب قرآں سرا
گریہ ہائے او ز بالیں بے نیاز ۔۔۔ گوہر افشاندے بدامانِ نماز
اشک او برچید جبریل از زمیں ۔۔۔ ہمچو شبنم ریخت بر عرشِ بریں
رشتہ آئینِ حق زنجیر پا است ۔۔۔ پاسِ فرمان جناب مصطفےٰ ﷺ است
ورنہ گرد تربتش گردیدمے ۔۔۔ سجدہ ہا بر خاک او پاشیدمے

منظوم اردو ترجمہ از کوکب شادانی:

شکر، کھا کر نانِ جو پانی کے ساتھ
لب پہ قرآں آسیا رانی کے ساتھ
دامنِ بالش سے گریہ بے نیاز
گوہر افشانی کو دامانِ نماز
گوہر اشک اس کے جبریل امیں
لے کے جاتے جانب عرشِ بریں
سامنے ہے میرے آئینِ خدا
اور فرمانِ جناب مصطفےٰ ﷺ
لوٹتا ورنہ مزارِ پاک پر
سجدے کرتا جا کے اس کی خاک پر

ترجمہ وتشریح:

سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا نے صبر و رضا کی ادب گاہ میں تربیت پائی ہے یعنی پروردۂ سرکارِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم و سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں۔ صبر و رضا کی کیفیت یہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا چکی پیستی جاتیں اور قرآنِ پاک کی تلاوت کرتی جاتیں۔ خشیتِ الٰہی کا یہ عالم ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا عشاء کے بعد دو رکعت نماز پڑھتیں اور اس میں کلام الٰہی کی تلاوت کرتیں ابھی دو رکعت نماز ختم نہیں ہوتی کہ صبح کی سپیدی ظاہر ہونے لگتی۔ آپ یوں گویا ہوتیں: اے پروردگار! تو نے رات کتنی مختصر بنائی کہ میں جی بھر کر تیری عبادت بھی نہ کرسکی۔ سیدہ چکی پیسنے کے ساتھ قرآن پڑھتیں۔ فرشتے ان کی عبادت پر ناز اور رشک کرتے اور وہ سیدہ کی تلاوتِ قرآن سنتے ساتھ حسنین رضی اللہ عنہما (حسن رضی اللہ عنہ اور حسین رضی اللہ عنہ) کا جھولا جھلاتے۔ آپ کا تقویٰ ضرب المثل بن گیا۔ آپ رضی اللہ عنہا خشیتِ الٰہی میں گریہ کرتیں۔ یہاں علامہ صاحب اس طرف اشارہ کرتے ہیں: آپ رضی اللہ عنہا کے آنسو تکیے پر کبھی نہیں گرے۔ نماز کے لئے کھڑی ہوتیں تو آنکھوں سے آنسو موتیوں کی مانند گرنے لگتے۔ جبرائیل علیہ السلام ان آنسوؤں کو زمین سے اٹھا کر لے جاتے اور شبنم کی طرح عرشِ بریں پر ڈال دیتے۔

آخر میں علامہ صاحب اہلِ بیت اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ اپنی عقیدت کو بیان کرتے ہیں۔ یہاں علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ کے جذبات دیدنی اور حیران کن ہیں۔ علامہ صاحب فرماتے ہیں: اللہ کا آئین میرے پاؤں کی زنجیر بنا ہوا ہے اور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا مجھے لحاظ ہے۔ یعنی اللہ کے آئین قرآن اور فرمانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم (حدیث) نے مجھے اس بات سے روک رکھا ہے۔ قبر کو سجدہ کرنا یا اس کا طواف کرنا شریعتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں منع ہے ورنہ میرے اندر عشق کا ایسا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے کہ اگر ذرا سی بھی اس بات کی اجازت ہوتی تو (اے فاطمہ رضی اللہ عنہا!) میں ہر وقت آپ رضی اللہ عنہا کی قبرِ اطہر کا طواف

کرتا اور اس خاکِ پاک پر سجدوں کے سجدے نچھاور کرتا۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ علامہ صاحب مودتِ اہلِ بیتؑ میں کتنے سرشار ہیں اور آپؒ کے افکار، خیالات اور قلب و ذہن پر اس مودت کا کتنا گہرا اثر ہے۔ آپ کے کلام سے عشق کے شعلے سمیٹ کر روح کو جو کیف حاصل ہوا، اس پر دل سے دعا نکلتی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ آپؒ کی قبرِ انور پر کروڑوں رحمتیں نازل فرمائے۔

در شرح اسرار اسمائے علی مرتضیٰؑ

(حضرت علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے اسماء کے بھیدوں کی تشریح، اسرارِ خودی)

مسلم اول شہ مردان علیؑ　　عشق را سرمایہ ایمان علیؑ
از ولائے دودمانش زندہ ام　　در جہاں مثل گوہر تابندہ ام
نرگسم و ارفتۂ نظارہ ام　　در خیابانش چو بو آوارہ ام
زمزم ار جوشد ز خاکِ من ازوست　　مے اگر ریزد ز تاکِ من ازوست
خاکم و از مہر او آئینہ ام　　می تواں دیدن نوا در سینہ ام
از رخ او فال پیغمبر گرفت　　ملت حق از شکوہش فر گرفت
قوت دین مبیں فرمودہ اش　　کائنات آئیں پذیر از دودہ اش

منظوم اردو ترجمہ از عبدالرشید فاضل:

مسلم اول، ولی حق، شہ مردان علیؑ
عشق و الفت کے لئے سرمایۂ ایمان علیؑ
الفتِ صادق سے اسکے دودماں کی زندہ ہوں
اس محبت ہی سے میں مثلِ گوہر تابندہ ہوں
نرگسِ حیراں ہوں میں، وارفتۂ نظارہ ہوں

بوئے گل کی طرح اسکے باغ میں آوارہ ہوں
زمزم ابلے میری مٹی سے تو ہے اس کا کرم
اور مرے انگور سے ٹپکے جو مئے اس کا کرم
خاک ہوں، اسکی محبت سے مگر آئینہ ہوں
دیکھ لو آواز سینے میں، وہ روشن سینہ ہوں
دیکھ کر اس کی طرف حضرت ﷺ نے یہ فرما دیا
ملتِ بیضا کا اس سے دبدبہ بالا ہوا
اور فرمایا کہ ہے یہ قوتِ دینِ مبین
آل سے اس کی سنور جائیں گے دنیا اور دیں

ترجمہ وتشریح: حضرت علی رضی اللہ عنہ اول المسلمین یعنی سب سے پہلے اسلام لانے والے ہیں۔ یہ آپ رضی اللہ عنہ کی شان ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نے سب سے پہلے نبی اکرم ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی اسلئے آپ رضی اللہ عنہ کو اول المصلین یعنی پہلا نمازی بھی کہا گیا۔ اول المسلمین اور اول المصلین کے القابات آپ رضی اللہ عنہ کے اپنے اقوال میں بھی ملتے ہیں اور ائمہ حدیث نے بھی اس کو کتب احادیث میں بشمول امام نسائی بیان فرمایا ہے اور آپ رضی اللہ عنہ کا یہ اعزاز معروف بھی ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ مردوں کے شاہ اور دلیروں کے سردار ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی ذات مبارکہ عشق کے لئے ایمان کا سرمایہ ہے۔ وہ عشق ہجرتِ رسولِ اکرم ﷺ کی شب تلواروں کی چھاؤں میں بسترِ رسول ﷺ پر سونے کی صورت میں ہو یا شعب ابی طالب میں تین سالہ مقاطعہ قریش کی شکل میں گھاٹی کی تکلیفیں برداشت کرنا ہو۔ آپ رضی اللہ عنہ کی پوری زندگی فقط رسولِ اکرم ﷺ کی اطاعت اور نصرت میں گزری۔ آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی آنکھیں رسولِ اکرم ﷺ

کے ہاتھوں پر کھولیں اور سب سے پہلے چہرۂ مصطفےٰ ﷺ کی زیارت کی، آپ رضی اللہ عنہ کی پہلی غذا لعاب دہنِ رسول ﷺ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا نام علی رسولِ اکرم ﷺ نے رکھا اور یہ نام اس سے پہلے کبھی نہیں رکھا گیا گویا آپ رضی اللہ عنہ کے لئے خاص طور پر محفوظ کیا گیا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ کے بے شمار مناقب محدثین کرام نے ذکر کئے ہیں۔ علامہ صاحب ان سارے مناقب کو یہاں اس شعر میں سمو رہے ہیں۔

میں (اقبال رحمۃ اللہ علیہ) آپ رضی اللہ عنہ کے خاندان کی محبت کی وجہ سے زندہ ہوں۔ اور اسی وجہ سے جہاں میں موتی کی طرح جگمگا رہا ہوں۔ علامہ صاحب کے نزدیک روحانی حیات کے لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور آپ کے خاندان کی محبت نہایت ضروری ہے اور اسی سے دنیا اور آخرت میں آبرو ملتی ہے۔

مشکوٰۃ اور ترمذی شریف میں حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ عنہما رسولِ اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں: اللہ سے اس لئے محبت کرو کہ وہ تمھیں کھانے کے لئے نعمتیں دیتا ہے اور اللہ کی محبت کی وجہ سے مجھ سے محبت کرو۔ اور میری محبت کی وجہ سے میرے اہلِ بیت رضی اللہ عنہم کے ساتھ محبت کرو۔ میں (اقبال رحمۃ اللہ علیہ) نرگس (سراپا آنکھ) ہوں اور نظارے میں کھویا ہوا ہوں۔ اسطرح محوِ نظارہ ہوں گویا میں آپ (علی رضی اللہ عنہ) کے باغ (کیاری) میں مانندِ خوشبو پھر رہا ہوں۔ یہاں علامہ صاحب نرگس کے پھول اور اس کے اندر سیاہ داغ کو سراپا آنکھ سے تشبیہ دے رہے ہیں۔ میری خاک سے اگر زمزم کا چشمہ پھوٹ رہا ہے (جس سے لوگ سیراب ہو رہے ہیں) تو یہ آپ رضی اللہ عنہ ہی سے محبت کے سبب ہے اور آپ ہی کی برکت سے عشق کی شراب میری رگوں میں موجزن ہے جس سے میری نواؤں اور نالوں میں سرور ہے۔ میں خاک ہوں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے محبت کے نتیجے میں مثلِ آئینہ ہوں۔ اس لئے میرے سینے میں نغمہ (نوا) دیکھا جا سکتا

ہے۔

آپ ؓ کے مبارک چہرے سے نبی کریم ﷺ نے اچھا فال لیا اور آپ ہی کے شکوہ و دبدبے کی وجہ سے امتِ مسلمہ کو شان و شوکت حاصل ہوئی ہے۔ آپ کے نام علی سے علوِ اسلام اور اعلائے کلمۃ اللہ کی فال مراد ہے۔ آپ ؓ غزوات میں پیش پیش رہے، اشجع الاشجعین ہیں، لافتیٰ ہیں، آپ ؓ کی بہادری کا ڈنکا چار سو بجتا ہے۔ بدر و احد و خندق و خیبر و حنین و جملہ غزوات اس بات کے آئینہ دار ہیں۔ آپ ؓ ہمیشہ علمدارِ لشکرِ رسالت مآب ﷺ رہے ہیں۔ آپ ؓ اسد اللہ (اللہ کے شیر) ہیں۔ آپ ؓ تاریخ انسانی کے عظیم ترین بہادر ہیں کہ بسا اوقات جری پہلوان آپ ؓ کے مقابل آنے سے کتراتے تھے۔ شکوہ و دبدبہ لافتیٰ کی طرف اشارہ ہے۔ لا فتیٰ الا علی (علی جیسا جوان کوئی نہیں) رضوان کا نعرہ ہے جو احد میں بلند ہوا۔ ترمذی شریف کی حدیث ہے۔ اسی موقع پر مصطفےٰ ﷺ نے فرمایا: اِنَّ عَلِیًّا مِنِّی وَ اَنَا مِنْہُ (بے شک علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں)۔ آپ ؓ کے اقوال (فرمودات) روشن دینِ اسلام کے لئے قوت و طاقت کا سبب ہیں اور آپ ہی کے گھرانے (آل) سے دنیا کو دستور، قانون اور آئین ملا۔

مرسلِ حق کرد نامش بوتراب — حق ید اللہ خواند در ام الکتاب
ہر کہ دانائے رموزِ زندگیست — سرِ اسمائے علی داند کہ چیست
خاکِ تاریکے کہ نام او تن است — عقل از بیداد او در شیون است
فکرِ گردوں رس زمیں پیما ازو — چشم کور و گوش نا شنوا ازو
از ہوس تیغِ دو رو دارد بدست — رہرواں را دل بریں رہزن شکست
شیرِ حق ایں خاک را تسخیر کرد — ایں گلِ تاریک را اکسیر کرد

مرتضےٰ کز تیغ او حق روشن است   بوتراب از فتح اقلیم تن است

منظوم اردو ترجمہ از عبدالرشید فاضل:

مرسلِ حق نے لقب اس کو دیا ہے 'بوتراب'
حق نے فرمایا 'یداللہ' اس پہ شاہد ہے کتاب
جانتا ہے جو کوئی دنیا میں رازِ زندگی
جان سکتا ہے وہی اسرارِ اسمائے علی ؓ
وہ سیہ، تاریک مٹی، نام ہے جس کا بدن
عقل جس کے ظلم سے ہے مبتلائے صد محن
فکرِ عالی کو زمیں پیما بنا دیتی ہے جو
آدمی کو بہرا اور اندھا بنا دیتی ہے جو
ہاتھ میں جس کے ہوس رانی کی شمشیر دو سر
سالکانِ راہِ حق جس سے زبوں، خستہ جگر
اپنا تابع اس کو جب شیرِ خدا نے کر لیا
کر دیا اس خاک کو روشن مثالِ آئینہ
مرتضیٰ ؓ، تلوار سے جس کی ہوا حق کامیاب
ہو گیا اقلیمِ تن کو فتح کر کے 'بوتراب'

ترجمہ و تشریح: اللہ کے رسول ﷺ نے آپ (حضرت علی ؓ) کو بوتراب کا لقب (نام) دیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں آپ ؓ (علی ؓ) کو یداللہ قرار دیا ہے۔ بوتراب کا لقب جناب علی مرتضےٰ ؓ کو بارگاہِ رسالت مآب ﷺ سے عطا ہوا۔ اس کا واقعہ کچھ اس طرح ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی کرم اللہ

وجہہ مسجدِ نبوی ﷺ میں زمین پر لیٹے ہوئے آرام فرما رہے تھے اور کچھ گرد (مٹی) آپ رضی اللہ عنہ کے جسمِ اطہر پر لگ گئی تھی۔ رسولِ اکرم ﷺ اس کیفیت کو ملاحظہ فرماتے ہوئے بلحاظِ موقع نہایت محبت اور شفقت سے فرماتے ہیں: قُمْ یَا اَبَا تُرَاب، اے مٹی (زمین) والے اٹھ کھڑا ہو۔ اسی طرح یداللہ (اللہ کا ہاتھ) آپ رضی اللہ عنہ کا مشہور لقب ہے۔ جو اللہ نے آپ رضی اللہ عنہ کو قرآنِ پاک میں عطا کیا۔ قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے رسولِ کریم ﷺ کے دست مبارک کو اپنا ہاتھ قرار دیا: بے شک جو لوگ (ببول کے درخت کے سایہ میں) آپ ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے، ان کے ہاتھوں کے اوپر آپ کا ہاتھ نہیں بلکہ اللہ کا ہاتھ ہے۔ رسول ﷺ کے ہاتھ کو اللہ کا ہاتھ کہا گیا، علی المرتضےٰ رضی اللہ عنہ اتباعِ رسول ﷺ میں اس کمال کے ساتھ فنا تھے کہ آپ فنا فی الرسول ﷺ کے مرتبہ پر تھے۔ اسلئے آپ کو بھی ید اللہ (اللہ کا ہاتھ) کا لقب حاصل ہوا۔ علی مجھ سے ہیں اور میں علی سے ہوں، میں بھی یہی ربط بیان ہوا ہے۔ قرآنِ پاک میں وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی میں بھی اسی طرح کا بیان ہے، بخاری شریف کی حدیثِ قدسی میں بھی اسی طرح کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا، جو میرا ولی ہے میں اس کے ہاتھ، پاؤں، آنکھیں اور کان بن جاتا ہوں۔ مولا علی رضی اللہ عنہ امام الاولیاء ہیں۔ اللہ تعالیٰ جسم، ہاتھ، کان، آنکھ، زبان اور پاؤں وغیرہ سے پاک ہے۔ اس طرح کے واقعات میں نصرتِ خدا اور تائیدِ خدا مراد ہے۔ یعنی اپنے محبوب ترین بندوں کے احوال کی نسبت رب تعالیٰ اپنی طرف منسوب کر لیتا ہے۔

جو کوئی بھی زندگی کی حقیقتوں اور بھید سے آشنا ہے اسے خوب علم ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اسماء و القاب کا راز کیا ہے۔ یعنی اہلِ عرفان اس حقیقت سے خوب

آگاہ ہیں۔ وہ سیاہ خاک بدن جسے تن کہتے ہیں۔ عقل اس کے ظلم وستم کے ہاتھوں آہ و فریاد کر رہی ہے یعنی نالاں ہے۔ افلاک کی حدوں کو چھونے والے حامل فکر اسی کے ہاتھوں ذلت اور پستی میں ڈوبے رہتے ہیں۔ آنکھ بصارت کے باوجود اسی کی وجہ سے بصیرت سے محروم (چشم بینا نہیں) رہتی ہے اور کان بہرے ہو جاتے ہیں۔ جس کے ہاتھ میں ہوس وحرص کی دو دھاری تلوار ہے۔ اور سالکانِ راہِ حق کے دل شکستہ و خوفزدہ ہیں۔ اللہ کے شیر (شیرِ حق، اسد اللہ، حضرت علی ؓ) نے اس خاک یعنی بدن کو تسخیر کر کے قابو میں کر لیا، اور آپ ؓ نے اس خاکِ سیاہ کو جو بے نُور تھی اکسیر یعنی کیمیا میں تبدیل کر دیا۔ یہاں کیمیا سے مراد جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ سفوف ہے جس کی ایک چٹکی معمولی دھات کو سونے میں بدل دیتی ہے۔ جنابِ علی مرتضےٰ ؓ جن کی تلوار (ذوالفقار) سے حق روشن ہوا۔ جو جسم کی ولایت ومملکت کو زیر کرتے ہوئے بوتراب کہلائے۔

مرد کشور گیر از کراری است — گوہرش را آبرو خود داری است
ہر کہ در آفاق گردد بوتراب — باز گرد اند ز مغرب آفتاب
ہر کہ زیں بر مرکب تن تنگ بست — چوں نگیں بر خاتم دولت نشست
زیرِ پاش اینجا شکوہ خیبر است — دست او آنجا قسیم کوثر است
از خود آگاہی یداللّٰہی کند — از یداللّٰہی شہنشاہی کند
ذات او دروازہ شہر علوم — زیرِ فرمانش حجاز و چین و روم

منظوم اردو ترجمہ از عبدالرشید فاضل:

وہ جہاں میں مرد کشور گیر کراری سے ہے
اس قدر اس کے گہر کی آب خودداری سے ہے
اس طرح دنیا میں ہو جائے جو کوئی بوتراب

پھیر کر لے آئے مغرب کی طرف سے آفتاب
اُس تن پر جس نے باندھا ہے یہاں مضبوط زیں
خاتمِ دولت پہ بیٹھا ہے وہی مثلِ نگیں
ہے شکوہ خیبر اس عالم میں پیروں کے تلے
اُس جہاں میں ہاتھ اس کا قاسمِ کوثر بنے
وہ خود آگاہی کی دولت سے یداللّٰہی کرے
اور یداللّٰہی کی قوت سے شہنشائی کرے
اس کی ذات پاک ہے 'دروازہ شہر علوم'
زیرِ فرماں اسکے ہیں چین و حجاز و شام و روم

ترجمہ وتشریح: دلیر اور شجاع آدمی کراری (حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شانِ لڑائی) کے سبب فاتحانہ شان حاصل کرتا ہے۔ اس گوہر کی چمک، تابداری و آبرو خودداری کے سبب ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حیدر کرار کہتے ہیں اور کرار کا یہ لقب انھیں غزوۂ خیبر کے موقع پر رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا کیا تھا۔ کرّار کا مطلب ہے، بار بار حملہ کرنا، پلٹ پلٹ کر حملہ کرنا، آگے بڑھ بڑھ کر حملہ کرنا۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا، کل میں علم اس شخص کو دوں گا جو خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دوست رکھتا ہے اور خدا اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسے دوست رکھتے ہیں۔ جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ فتح عطا کرے گا۔ جو کرّار ہے......اس کائنات میں جو بھی بوتراب بنتا ہے، یعنی اپنے بدن، ہوس و حرص پر قابو پالے تو وہ قوت حاصل کر لیتا ہے، اگر وہ چاہے تو سورج کو مغرب سے لوٹا سکتا ہے۔ ان اشعار میں معجزہ ردالشمس کی طرف اشارہ

ہے۔حدیث ردالشمس کی نفی اور اثبات میں محدثین نے کلام کیا ہے۔ امام ابنِ تیمیہ، ابنِ جوزی، ناصر الدین البانی وغیرھم نے اس حدیث کوضعیف کہا ہے اور اس واقعہ سے انکار کیا ہے جبکہ امام طحاوی، جلال الدین السیوطی، محمود سعید مصری وغیرھم کے ساتھ ساتھ گروہِ صوفیہ نے اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے اس کے حق میں دلائل دیئے ہیں۔ چونکہ علامہ محمد اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اشعار میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے اس لئے حدیث ردالشمس کی تضعیف یا تصحیح سے قطع نظر اس واقعہ کا پسِ منظر کچھ یوں ہے کہ: مقامِ صہبا (خیبر) پر ایک دن نبی اکرم ﷺ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زانو پر سر رکھ کر لیٹے ہوئے تھے۔ حضورِ اکرم ﷺ نماز پڑھ چکے تھے جبکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ابھی تک عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی۔ مولا علی رضی اللہ عنہ نے جنابِ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو جگانا مناسب نہ سمجھا۔ غروبِ آفتاب کا وقت ہوگیا۔ پیغمبر اکرم ﷺ اٹھے۔ جب معلوم ہوا کہ علی رضی اللہ عنہ نماز ادا نہ کر سکے تو یوں دعا کی کہ یا الٰہی یہ تیری اور تیرے رسول ﷺ کی فرمانبرداری میں تھا، اس لئے سورج کو لوٹا دے۔ اس دعا پر سورج لوٹ آیا اور جب مولا علی رضی اللہ عنہ نماز ادا کر چکے تو دوبارہ واپس ہوگیا۔

جس کسی نے بھی تن (بدن) کی سواری پر زین کس کر باندھی اسی کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ وہ حکومت کی مہر میں نگینے کی طرح سج گیا یعنی اسے سلطنت حاصل ہو گئی۔ اس دنیا میں وہ خیبر جیسے پرشکوہ قلعے کی شان وشوکت کو اپنے پاؤں تلے روند ڈالتا ہے اور دوسری دنیا (آخرت) میں اس کے ہاتھ حوضِ کوثر کا پانی تقسیم کرنے والے ہوتے ہیں۔ یہاں قسیم کوثر سے مراد ذات علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ کا لقب ساقی کوثر بھی ہے جس کے بارے میں حضور ﷺ کی یہ حدیث ہے کہ روزِ قیامت علی

مرتضےٰ ﷺ حوضِ کوثر کا میٹھا پانی نجات پانے والوں میں تقسیم فرمائیں گے۔ وہ اپنی ذات سے بخوبی واقف ہیں اور اس آگاہی کے نتیجے میں اللہ کا ہاتھ (ید اللہ) بن جاتے ہیں اور پھر اسی ید اللٰہی کے ساتھ وہ کائنات پر حکمرانی کرتے ہیں۔ان کی ذات شہرِ علوم کا دروازہ بن جاتی ہے اور اس کے زیرِ نگین حجاز، چین اور روم یعنی تمام دنیا آجاتی ہے۔ یہاں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا ، میں علم کا شہر ہوں اور علی ؑ اس کا دروازہ ہے، اسی طرح کی ایک حدیث ترمذی شریف میں بھی موجود ہے جس میں نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اَنَا دَارُ الْحِکْمَۃِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا، میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔

حکمراں باید شدن بر خاک خویش — تا مے روشن خوری از تاک خویش
خاک گشتن مذہب پروانگی است — خاک رااب شوکہ ایں مردانگی است
سنگ شو اے ہمچو گل نازک بدن — تا شوی بنیاد دیوار چمن
از گل خود آدمے تعمیر کن — آدمے را عالمے تعمیر کن
گر بنا سازی نہ دیوار و درے — خشت از خاک تو بند و دیگرے
اے ز جور چرخ ناہنجار تنگ — جام تو فریادی بیداد سنگ
نالہ و فریاد و ماتم تا کجا — سینہ کوبیہائے پیہم تا کجا
در عمل پوشیدہ مضمون حیات — لذت تخلیق قانون حیات

منظوم اردو ترجمہ از عبدالرشید فاضل:

تابع فرماں بنا لے تو بھی اپنی خاک کو
تا ترے انگور سے پیدا شراب ناب ہو
خاک ہو جانا تو ناداں! مذہب پروانہ ہے

باپ بن اس خاک کا، یہ شیوۂ مردانہ ہے
سخت ہو پتھر سا اے گل کی طرح نازک بدن
تا کہ قائم تجھ سے ہو بنیادِ دیوارِ چمن
خاک سے تیری بنے انسان، وہ تدبیر کر
اور انساں کے لئے تازہ جہاں تعمیر کر
گر بنائے گا نہ تو اپنے لئے دیوار و در
تیری مٹی سے بنائے جائیں گے غیروں کے گھر
اے کہ جورِ آسماں سے ہے بہت بیزار و تنگ
اے کہ تیرا جام ہے فریادی بیداد سنگ
بے خبر! یہ نالہ و فریاد و ماتم کب تک!
کب تلک یہ سینہ کوبیہائے پیہم کب تک!
کوششِ پیہم میں پوشیدہ ہے مضمونِ حیات
لذتِ تخلیق ہے دراصل قانونِ حیات

ترجمہ وتشریح: اپنی خاک (بدن) پر حکمران بننا چاہیے تا کہ تو اپنی تاک (انگور کی بیل) سے مصفا اور روشن شراب پی سکے۔ جل کر راکھ ہو جانا پروانے کا مذہب ہے تو مٹی کا باپ بن، یعنی خاک کو فتح کر، کہ یہی دلیری اور مردانگی ہے۔ پتھر بن (سخت جان ہو) کہ تیرا بدن پھول کی طرح نازک و نرم ہے، سخت ہو کر تو چمن کی دیوار کی بنیاد بن جا۔ اپنی مٹی سے ایک نیا آدمی تعمیر کر، ایسے آدمی کے لئے ایک نیا جہان تشکیل دے۔ اگر تو خود دیوار اور دروازہ نہیں بنائے گا تو کوئی دوسرا آ کر تیری مٹی سے اپنے لئے اینٹیں بنا دے گا۔ اے (مسلمان)

تو جو ظلم و جور کے آسمان (پہاڑ) سے نالاں ہے، تیرا جام (پیالہ) پتھر کے ظلم وستم کی فریاد کر رہا ہے۔ تو کب تک نالہ وفریاد اور ماتم کرتا رہے گا، کب تک مسلسل اپنا سینہ پیٹتا رہے گا۔ عمل ہی میں زندگی کا مقصد چھپا ہے، تخلیق کی لذت قانونِ حیات ہے۔

خیز و خلاق جہان تازہ شو
شعلہ در بر کن خلیلؑ آوازہ شو
با جہان نامساعد ساختن
ہست در میداں سپر انداختن
مرد خود دارے کہ باشد پختہ کار
با مزاج او بسازد روزگار
گر نہ سازد بامزاج او جہاں
می شود جنگ آزما با آسماں
بر کند بنیاد موجودات را
میدہد ترکیب نو ذرات را
گردش ایام را برہم زند
چرخ نیلی فام را برہم زند
می کند از قوت خود آشکار
روزگار نو کہ باشد سازگار
در جہاں نتواں اگر مردانہ زیست
ہمچو مرداں جاں سپردن زندگیست

منظوم اردو ترجمہ از عبدالرشید فاضل:

اٹھ کہ پھر اک بار خلاقِ جہاں تازہ ہو
آگ میں گر کر، چمن آرا خلیلؑ آوازہ ہو
گر جہانِ نامساعد سے تجھے چارا نہیں
کیا یہ میداں میں سپرانداز ہو جانا نہیں!
جو کوئی اپنی خودی سے ہے جہاں میں پختہ کار
ہوتی ہے اس کے موافق گردشِ لیل و نہار
اور اگر ہوتا نہیں اس کے موافق یہ جہاں

جنگ کرتا ہے وہ دور آسماں سے بے گماں
کھود کر رکھ دیتا ہے بنیادِ موجودات کو
اور عطا کرتا ہے اک ترکیب نو ذرات کو
ڈھالتا ہے طرزِ نو میں گردشِ ایّام کو
اور بدل دیتا ہے یکسر چرخ نیلی فام کو
اپنی قوت سے وہ کرتا ہے جہاں میں آشکار
وہ زمانہ، جو طبیعت سے ہو اُس کی سازگار
اگر زندگی نہ گزارے دلیرانہ اُس جہان میں
تو جان اپنی دے کر چلا جائے اُس جہان میں

ترجمہ وتشریح: اٹھ اور اپنے لئے نئی دنیا پیدا کر، اپنے بدن میں آگ لے اور خلیل علیہ السلام کی طرح مشہور ہو جا۔ ناساعد حالات سے سمجھوتہ کرنا ایسے ہی ہے جیسے میدانِ جنگ میں ہتھیار ڈال دینا ہے۔ جو خوددار انسان عمل میں پکا اور پختہ ہوتا ہے، دنیا خود اس کے مزاج کے ساتھ چلتی ہے۔ اگر دنیا اس کے مزاج کے موافق نہ ہو تو وہ آسمان سے جنگ کرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ وہ کائنات کو جڑ سے اکھاڑ دیتا ہے اور اس کی جگہ ذروں کو ایک نئی ترکیب سے جوڑ کر اپنی دنیا تشکیل دیتا ہے۔ وہ گردشِ ایام کو الٹ پلٹ کر انقلاب لاتا ہے، وہ نیلے آسمان ہی کو درہم برہم کر دیتا ہے۔ وہ اپنی قوت سے ایک نیا زمانہ پیدا کرتا ہے، ایسا زمانہ کہ جو اس کے موافق ہو۔ اگر دنیا میں دلیرانہ زندگی نہیں گزار سکتے تو پھر دلیروں کی طرح اپنی جان دے دو۔

آزماید صاحب قلب سلیم زور خود را از مہمات عظیم

عشق با دشوار ورزیدن خوش است	چوں خلیلؑ از شعلہ گل چیدن خوش است
ممکنات قوت مردان کار	گردد از مشکل پسندی آشکار
حربہ دوں ہمتاں کین است و بس	زندگی را ایں یک آئین است و بس
زندگانی قوت پیداستے	اصل او از ذوق استیلاستے
عفو بیجا سردی خون حیات	سکتہ در بیت موزون حیات

منظوم اردو ترجمہ از عبدالرشید فاضل:

آزماتا ہے جہاں میں صاحبِ قلبِ سلیم
کر کے اپنے زور کو صرف مہماتِ عظیم
ہے مزا الفت کا دشواری میں اے مردِ عقیل
پھول چننا آگ کے شعلوں سے مانندِ خلیل علیہ السلام
قوتیں رکھتے ہیں پوشیدہ بہت مردانِ کار
جن کو کرتی ہے فقط مشکل پسندی آشکار
اور کم ظرفوں، کمینوں کا ہے شیوہ دشمنی
ہے اسی آئین پر موقوف ان کی زندگی
زندگی ہے جہاں میں قوت و سطوت کا نام
اور سرمایہ ہے اس کا ذوقِ استیلاء تمام
عفوِ بے جا ہے دلیلِ سردیِ خونِ حیات
داغ دارِ سکتہ اس سے بیتِ موزونِ حیات

ترجمہ وتشریح: تندرست اور توانا دل رکھنے والے (صاحبانِ عشق) اپنی قوت اور طاقت کو

آزماتے ہوئے بڑے بڑے کارہائے نمایاں سرانجام دیتے ہیں۔ دشوار اور مشکل مہمات سے وابستگی اچھی بات ہے۔ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی طرح آگ سے پھول چننا بہت اچھا ہے۔ دلیر مہم جوؤں کی قوت کے ممکنات ان کے مشکل اور کٹھن مہمات کی رغبت سے ظاہر ہوتے ہیں۔ جو لوگ کم ہمت ہوتے ہیں، کینہ پروری کے سوا ان کے پاس کوئی ہتھیار نہیں ہوتا۔ ان کی زندگی میں بس یہی ایک دستور ہے۔ زندگی ایک ظاہر اور آشکار قوت ہے جس کی اصل غلبہ پالینے کی خواہش ہے۔ بے محل درگزر (چشم پوشی) زندگی کے خون کے ٹھنڈا ہو جانے کے مترادف ہے۔ جیسے زندگی کے ایک وزن دار اور عمدہ شعر میں سکتہ پیدا ہو گیا ہو۔

ہر کہ در قعرِ مذلت ماندہ است ناتوانی را قناعت خواندہ است
ناتوانی زندگی را رہزن است بطنش از خوف و دروغ آبستن است
از مکارم اندرون او تہی است شیرش از بہر ذمائم فربہی است
ہوشیار! اے صاحب عقلِ سلیم در کمینہا می نشیند ایں غنیم
گر خرد مندی فریب او مخور مثلِ حربا ہر زماں رنگش دگر
شکل او اہلِ نظر نشناختند پردہ ہا بر روئے او انداختند
گاہ او را رحم و نرمی پردہ دار گاہ می پوشد ردائے انکسار
گاہ او مستور در مجبوری است گاہ پنہاں در تہِ معذوری است
چہرہ در شکلِ تن آسانی نمود دل ز دستِ صاحبِ قوت ربود

منظوم اردو ترجمہ از عبدالرشید فاضل:

کاہلی سے جو کوئی قعرِ مذلت میں رہا
ناتوانی کا قناعت نام اس نے رکھ لیا
ناتوانی زندگی کی راہ کا رہزن ہے دیکھ
اور شکم خوف و ریا سے اس کا آبستن ہے دیکھ!
اس کا باطن ہے مکارم اور فضائل سے تہی
شیر سے اس کے ذمائم کو ہے حاصل فربہی
ہوشیار و باخبر! اے صاحب عقل سلیم!
بیٹھتا ہے سینکڑوں گھاتوں میں یہ پُرفن غنیم
گر بصیرت تجھ کو حاصل ہے فریب اس کا نہ کھا
مثلِ حُر بارنگ ہر دم اس کا ہے بدلا ہوا
اس کی صورت کو خرد مندوں نے پہچانا نہیں
کیونکہ بے پردہ کسی کو یہ نظر آتا نہیں
رحم اور نرمی کبھی بنتی ہے اس کی پردہ دار
اور کبھی یہ اوڑھ لیتا ہے ردائے انکسار
اس کا پردہ ہے کبھی مجبوری و بے چارگی
اور نقاب اس کا کبھی معذوری و بے مایگی
جب کہ تن آسانی کی صورت میں یہ ظاہر ہوا
صاحب قوت کا دل بھی ہاتھ سے جاتا رہا

ترجمہ وتشریح: جو بھی ذلت اور پستی کے گڑھوں میں گر جاتا ہے تو اپنی ناتوانی اور کمزوری کو قناعت کا نام دے دیتا ہے۔ جبکہ ناتوانی زندگی کے راستے پر رہزن

(قزاق) ہے۔ اس کا باطن خوف اور جھوٹ سے بھرا ہوا ہے، یعنی اس کے بطن سے یہ پیدا ہوتے ہیں۔ اس کا دل (اندر) اوصافِ حسنہ سے خالی ہوتا ہے، اس (ناتوانی) کا دودھ اوصاف رذیلہ کے موٹاپے (فربہی) کا باعث ہے۔ خبردار اے عقلِ سلیم رکھنے والے! یہ دشمن ہمہ وقت تیری گھات میں لگا ہوا ہے۔ اگر تو صاحب عقل ہے تو اس (ناتوانی) کے دھوکے میں مت آ، یہ تو ہر لمحے گرگٹ کی طرح رنگ بدلتی رہتی ہے۔ صاحبانِ نظر نے (ناتوانی اور کمزوری) کی اصل شکل نہیں دیکھی، اس کے چہرے پر قسم قسم کے پردے ڈال دیئے۔ کبھی تو رحم اور نرمی اس کی پردہ داری کرتی ہے، کبھی یہ عاجزی اور انکساری کے پیچھے چھپ جاتی ہے۔ کبھی وہ مجبوری کے لبادے میں پوشیدہ رہتی ہے، کبھی معذوری کی تہہ میں مخفی رہتی ہے۔ یہ تن آسانی کی صورت میں اپنا چہرہ دکھاتی ہے، اسطرح صاحب قوت کا دل اچک کر لے گئی۔

با توانائی صداقت توام است
گر خود آگاہی ہمیں جام جم است

زندگی کشت است و حاصل قوت است
شرح رمز حق و باطل قوت است

مدعی گر مایہ دار از قوت است
دعوی او بے نیاز از حجت است

باطل از قوت پذیرد شان حق
خویش را حق داند از بطلان حق

از کن او زہر کوثر می شود
خیر را گوید شرے شری شود

اے زا آداب امانت بے خبر
از دو عالم خویش را بہتر شمر

از رموز زندگی آگاہ شو
ظالم و جاہل ز غیر اللہ شو

چشم و گوش و لب کشا اے ہوشمند
گر نہ بینی راہ حق بر من بخند

منظوم اردو ترجمہ از عبدالرشید فاضل:

اور توانائی جہاں بھی ہے صداقت ساتھ ہے
ساری خوبی دین اور دنیا کی اس کے ہاتھ ہے
زندگی ہے کشتِ زار، اور اس کا حاصل زور ہے
بلکہ تفسیرِ رموزِ حق و باطل زور ہے
مدعی، قوت کا جو دنیا میں مایہ دار ہے
اس کا دعویٰ بے نیازِ حجت و تکرار ہے
زور سے ہوتی ہے باطل میں بھی پیدا شانِ حق
قوتوں سے اپنی کر دیتا ہے یہ بطلانِ حق
اس کی کُن سے زہر ہو جاتا ہے کوثر کی مثال
خیر کو کہہ دے جو شر، ہو جائے شر بے قیل و قال
آہ! آدابِ امانت سے ہوا وہ بے خبر
جس کو خالق نے بنایا دو جہاں سے خوب تر
ایسا ناواقف نہ رہ تو زندگی کی راہ سے
اے مسلماں! ظالم و جاہل ہو غیر اللہ سے
اے برادر چشم و گوش و لب تو اپنے کھول دے
مجھ پہ ہنس لینا جو راہِ حق نہ مل جائے تجھے

ترجمہ و تشریح: سچائی اور توانائی (قوت و طاقت) دونوں جڑواں ہیں، اگر تو اپنی حقیقت سے آگاہ ہو جائے تو پھر یہی جامِ جم (جمشید کا پیالہ) ہے۔ یہاں توانائی اور صداقت کو علامہ صاحب چولی دامن کے ساتھ کے طور پر بیان فرمارہے ہیں۔

جامِ جم قدیم ایران کے ایک بادشاہ جمشید کے پیالے کا نام ہے۔ اس نے ایک پیالہ بنوایا تھا جس میں ساری دنیا نظر آتی تھی، انگور کی شراب اس نے ایجاد کی تھی،

تلوار، بیلچہ اور دیگر متعدد چیزیں اس کی ایجاد کردہ ہیں۔ جب وہ پی کر نشے میں آتا تو یہ گمان کرتا جیسے ساری دنیا اسے مل گئی۔ یہ جام جام جہان نما بھی کہلایا ہے۔ جمشید کے زمانے میں بہت ترقی ہوئی۔ قدیم ترین ایران کی تاریخ میں جمشید کا دور نہایت اہم ہے۔ یہاں جامِ جم محاورہ میں استعمال ہو کر صوفیاء کے ہاں صاف دل کا استعارہ بن گیا۔ ایسا دل جو ماسوا اللہ کی آلودگیوں سے پاک ہو۔

زندگی بھیتی ہے، جس سے قوت حاصل ہوتی ہے۔ حق و باطل کا راز قوت بیان کرتی ہے۔ اگر کوئی مدعی (دعویدار) دولتِ قوت سے مالا مال ہے تو اسے اپنے دعوے کی تصدیق کے لئے کسی ثبوت یا دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی۔ باطل طاقت کے بل بوتے پر حق کی سی شان پیدا کرتا ہے، حق کو باطل گردانتے ہوئے خود کو حق سمجھ بیٹھتا ہے۔ اس کے حکم (کُن) سے کوثر (شیریں پانی کی جنتی نہر) زہر میں تبدیل ہو جاتی ہے، وہ خیر کو شر کا نام دیتے ہوئے اسے شر بنا دیتا ہے۔ اے انسان! تو آدابِ امانت سے بے خبر ہے، تو خود کو دونوں جہانوں سے بہتر سمجھ۔ یعنی اپنا مقام جان لے کہ اللہ نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ تو زندگی کے اسرار و رموز سے بہرہ مند ہو جا، ماسوا اللہ کے جو کچھ بھی ہے اس سے لاتعلق ہوتے ہوئے ظالم و جاہل ہو جا۔ یہاں علامہ صاحب سورہ احزاب کی آیت نمبر ۷۲ کے حوالے سے واقفِ اسرارِ حق کو ظالم و جاہل سے تعبیر کر رہے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ہم نے خلافت کی امانت فرشتوں، جنوں اور پہاڑوں وغیرہ کے سپرد کرنا چاہی، سب نے مارے خوف کے اس بار (بوجھ) کو اٹھانے سے معذوری ظاہر کر دی، بالآخر انسان نے اسے اٹھا لیا۔ بے شک انسان ظالم اور نادان ہے۔ یہاں ظالم اور نادانی کے الفاظ محبت کے طور پر استعمال ہوئے ہیں۔ علامہ صاحب نے بھی اسی بحر میں یہاں انسان کے لئے ظالم اور جاہل کے الفاظ منتخب کیے ہیں۔ اے ہوشمند انسان! تو اپنی آنکھیں، کان اور لب کھول، اگر تجھے حق کا راستہ دکھائی نہ دے تو اس وقت مجھ پر ہنس (مذاق اڑا)۔

مراجع ومصادر

جن سے کربلا کی روشنی ملی ان میں سے صرف بہتر (۷۲) کتب کے نام شہدائے کربلا کی مناسبت سے درج کر رہا ہوں۔

۱) امام حسین رضی اللہ عنہ اور واقعہ کربلا، حافظ ظفر اللہ شفیق، ادارہ صراط مستقیم لاہور

۲) متن اربعین حسین، عبداللہ دانش، مرکز الحرمین الاسلامی فیصل آباد

۳) شرح اربعین امام حسین رضی اللہ عنہ، عبداللہ دانش، العاصم اسلامک بکس لاہور

۴) شام کربلا، محمد شفیع اوکاڑوی صاحب، ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور

۵) ذکر حسین رضی اللہ عنہ، سید افضل حیدر، دوست پبلیکیشنز اسلام آباد

۶) شہنشاہِ کربلا المعروف داستانِ غم، ارسلان احمد، مشتاق بک کارنر لاہور

۷) شہید اعظم رضی اللہ عنہ، سید ریاض علی ریاض بناری، اکسیر اعظم گنج بنارس

۸) مقام اہل بیت رضی اللہ عنہم اقبال رحمۃ اللہ علیہ کی نگاہ سے، حافظ ظفر اللہ شفیق، ادارہ صراط مستقیم لاہور

۹) مناقب الزھراء، قاری ظہور احمد فیضی، مکتبہ باب العلم لاہور

۱۰) الاربعین مرج البحرین فی مناقب الحسنین، ڈاکٹر محمد طاہر القادری، منہاج القرآن پبلیکیشنز لاہور

۱۱) حادثہ کربلا کا پس منظر اور محمد عبدالرشید نعمانی، ڈاکٹر محمد حسن عثمانی ندوی، مکتبہ الحسن لاہور

۱۲) اسوۂ حسینی یعنی شہید کربلا، مولانا مفتی محمد شفیع، دارالاشاعت کراچی

۱۳) در تحقیق واثبات شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ و کردار یزید، محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند، تحریک خدام اہل سنت والجماعت لاہور

۱۴) شہید کربلا اور یزید، قاری محمد طیب مہتمم دارالعلوم دیوبند، ادارہ اسلامیات لاہور و کراچی

۱۵) سیرت حسنین رضی اللہ عنہما، محمد الیاس عادل، مشتاق بک کارنر لاہور

۱۶) تاریخ کربلا، قاری محمد امین القادری، زبیر بکس لاہور

۱۷) امام پاک رضی اللہ عنہ اور یزید پلید، محمد شفیع اوکاڑوی، ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور

۱۸) شہادت حسین رضی اللہ عنہ، مولانا ابوالکلام آزاد، مکتبہ جمال لاہور

۱۹) حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے سو (۱۰۰) قصے، ابن سرور محمد اویس، بیت العلوم لاہور

۲۰) روضۃ الشہداء، ملا حسین کاشفی، چشتی کتب خانہ فیصل آباد
۲۱) شرح خصائص علی رضی اللہ عنہ، قاری ظہور احمد فیضی، مکتبہ باب العلم لاہور
۲۲) احسن المدارج فی رد خوارج، سید محمد یعقوب شاہ حیدری، مکتبہ حیدری جہلم
۲۳) سوانح کربلا، محمد نعیم الدین مراد آبادی، مشتاق بک کارنر لاہور
۲۴) شہید ابن شہید، علامہ صائم چشتی، چشتی کتب خانہ لاہور
۲۵) تذکرہ شہدائے کربلا، کامران اعظم سوہدروی، مشتاق بک کارنر لاہور
۲۶) گلدستۂ شہادت شہادت نامہ کربلا معلی، قاضی منظور احمد، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور
۲۷) داستان کربلا المعروف ایک قطرہ خون، عصمت چغتائی، مشتاق بک کارنر لاہور
۲۸) شان کربلا، محمد الیاس عادل، مشتاق بک کارنر لاہور
۲۹) کربلا کا مسافر، علامہ مشتاق احمد نظامی، زبیر بکس لاہور
۳۰) (اسرار و رموز) کلیات اقبال، پروفیسر حمید اللہ شاہ ہاشمی، مکتبہ دانیال لاہور
۳۱) ذبح عظیم، ڈاکٹر محمد طاہر القادری، منہاج القرآن پبلیکیشنز لاہور
۳۲) شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ (فلسفہ و تعلیمات)، ڈاکٹر محمد طاہر القادری، منہاج القرآن پبلیکیشنز لاہور
۳۳) امام حسین رضی اللہ عنہ اور یزید کے وکیل، ڈاکٹر محمود احمد ساقی، ادارہ اہل سنت وجماعت لاہور
۳۴) شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ (حقائق و واقعات)، ڈاکٹر محمد طاہر القادری، منہاج القرآن پبلیکیشنز لاہور
۳۵) فضائل صحابہ واہل بیت، مولانا محمد علی حسین الکری، شبیر برادرز لاہور
۳۶) عظمت اہل بیت، محمد منصور مدنی، چشتی کتب خانہ فیصل آباد
۳۷) اقبال اور حب اصحاب وآل، عبدالستار نجم، مکتبہ الحسن لاہور
۳۸) شہادت امام حسین رضی اللہ عنہ، سید شاہ تراب الحق قادری، انجمن انوار القادریہ کراچی
۳۹) فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم واہل بیت رضی اللہ عنہم، سید شاہ تراب الحق قادری، اسلامک پبلشر کراچی
۴۰) شہادت حسین رضی اللہ عنہ، مفتی عبدالستار، ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
۴۱) تاریخ اسلام، سید امیر علی، الفیصل ناشران وتاجران کتب لاہور
۴۲) ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم، پروفیسر خالد پرویز، بیکن بکس لاہور
۴۳) شہادت حسنین ترجمہ سر الشہادتین، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی مترجم ریاض احمد صمدانی، ادارہ محی الدین برطانیہ
۴۴) خانوادہ نبوی وعہد بنی امیہ حقائق واوہام، ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی، العربی ادارہ تصنیف ونشر کراچی
۴۵) تحفہ اثنا عشریہ، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، دارالاشاعت کراچی
۴۶) خلافت وملوکیت، سید ابوالاعلیٰ مودودی، ادارہ ترجمان القرآن لاہور

۴۷) اسلام کے دو مکاتب فکر کا تقابلی جائزہ، علامہ سید مرتضےٰ عسکری، البلاغ المبین اسلام آباد
۴۸) ناصبیت تحقیق کے بھیس میں، محمد عبدالرشید نعمانی، الرحیم اکیڈمی کراچی
۴۹) سیدنا علی و سیدنا حسین رضی اللہ عنہما، قاضی اطہر مبارکپوری، مکتبہ سید احمد شہید لاہور
۵۰) تاریخ دعوت و عزیمت، سید ابوالحسن علی ندوی، مجلس نشریات اسلام کراچی
۵۱) الاجابہ فی مناقب القرابہ رضی اللہ عنہم، ڈاکٹر محمد طاہر القادری، منہاج القرآن پبلیکیشنز لاہور
۵۲) الصواعق المحرقہ، احمد بن حجر شافعی مکی، شبیر برادرز لاہور
۵۳) سیرت پنجتن پاک رضی اللہ عنہم، شیخ محمد خیر طعمہ حلبی الحتری الشامی، مشتاق بک کارنر لاہور
۵۴) امام حسین رضی اللہ عنہ و یزید، محمد فیض احمد اویسی، ادارہ تالیفات اویسیہ بہاولپور
۵۵) تفسیر دُرِ منثور، علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی، ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور
۵۶) تفسیر مظہری، قاضی محمد ثناء اللہ عثمانی مجددی پانی پتی، ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور
۵۷) تفسیر ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء القرآن پبلیکیشنز لاہور
۵۸) تفسیر ابن کثیر، حافظ عماد الدین ابوالفدا اسماعیل بن عمر بن کثیر دمشقی، مکتبہ اسلامیہ لاہور
۵۹) تفسیر عثمانی، علامہ شبیر احمد عثمانی، دارالاشاعت کراچی
۶۰) تفہیم القرآن، سید ابوالاعلیٰ مودودی، ادارہ ترجمان القرآن لاہور
۶۱) صحیح بخاری شریف، محمد بن اسماعیل بخاری، تاج کمپنی لمیٹڈ لاہور
۶۲) صحیح مسلم شریف، مسلم بن الحجاج مسلم القشیری النیشاپوری، پروگریسو بکس، فیصل مسجد اسلام آباد
۶۳) سنن نسائی شریف، ابوعبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی، مکتبۃ العلم لاہور
۶۴) جامع ترمذی شریف، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی، مکتبۃ العلم لاہور
۶۵) سنن ابوداؤد شریف، ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی، اسلامی کتب خانہ لاہور
۶۶) سنن ابن ماجہ شریف، ابن ماجہ القزوینی، اسلامی کتب خانہ لاہور
۶۷) تاریخ طبری (تاریخ الامم والملوک)، ابی جعفر محمد بن جریر الطبری، نفیس اکیڈمی کراچی
۶۸) تاریخ ابن کثیر (البدایہ والنہایہ)، ابوالفدا عماد الدین ابن کثیر الدمشقی، نفیس اکیڈمی کراچی
۶۹) تاریخ المسعودی (مروج الذہب ومعادن الجواہر)، ابوالحسن بن حسین بن علی المسعودی، نفیس اکیڈمی کراچی
۷۰) تاریخ ابن خلدون، عبدالرحمٰن ابن خلدون، الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور
۷۱) تاریخ الخلفاء، جلال الدین سیوطی، مشتاق بک کارنر لاہور
۷۲) تاریخ ایران، محمد حیات ایم اے، علم و عرفان پبلشرز لاہور

الٰہی بحقِ بنی فاطمہ رضی اللہ عنہا
کہ بر قول ایماں کنی خاتمہ
اگر دعوتم رد کنی ور قبول
من و دست و دامانِ آلِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نورِ کربلا اور اقبال

قلندر میل تقریرے ندارد   بجز ایں نکتہ اکسیرے ندارد
ازاں کشتِ خرابے حاصلے نیست   کہ آب از خونِ شبیرے ندارد

یہ قلندر (اقبالؒ) تقریر یعنی لمبی بات کا آرزومند نہیں اور اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی اکسیر نہیں کہ اس کھیتی سے (ہرگز) کوئی پیداوار نہیں ہوگی جسے شبیر (حسین علیہ السلام) کے خون سے پانی نہیں ملا یعنی شبیر کے خون سے سیراب نہیں کیا جاتا

(علامہ محمد اقبالؒ، ارمغانِ حجاز فارسی)

Rs.400.00